ترانۂ حق

منظوماتِ وویکانند

از

دھرم سروپ

ترانۂ حق

(منظوماتِ ویویکانند)

دھرم سروپ

فہرست

ترانۂ حق

(منظوماتِ وویکانند)

پہلی بار   تعداد اشاعت ایک ہزار

قیمت :- تین روپئے

۱۹۶۶ء

رامکرشن مِشن نئی دہلی

پبلشر :- سوامی سوواہانندا

TRÁNA-É-HÂQ

(Poems of Swami Vivekananda)

(FIRST EDITION)

PRICE : Rs. 3-00

1966

Published by

SWAMI SWAHANANDA

Ramakirishna Mission

NEW DELHI

Printed at Koh-e-noor Press, Delhi



پیش لفظ

سوامی وویکانند کی سوویں سالگرہ کے سلسلے میں رامکرشن مشن نئی دہلی نے اُن کی تقاریر اور تصانیف کا انتخاب اُردو میں بعنوان "نعرۂ حق" شائع کیا ہے۔ اِس کی پہلی جلد کی ترتیب کا کام مجھے سپرد کیا گیا تھا۔ اِس کتاب کی تیاری کے دوران میں جب میں سوامی جی کی مشہور نظم "نعرۂ سنیاس" کا ترجمہ کر رہا تھا تو مجھے خیال آیا کہ اُن کی دوسری نظموں کو بھی اُردو میں پیش کرنا چاہئے چنانچہ خُدا کا نام لے کر میں نے اس کام کو شروع کر دیا، شُکر کا مقام ہے کہ میں منظومات وویکانند کو مکمل کر کے سوامی سوروپانندا جی سکریٹری رامکرشن مشن دہلی کی خدمت میں پیش کر پایا اور ان کی بدولت آج آپ کے سامنے ہے۔

اِس کتاب کی تکمیل کے لئے میں اپنے مہربان دوست جناب برج لال رعنا جگی کا خاص طور پر مشکور ہوں جنہوں نے میرے ترجمے پر استادانہ نظر ڈالی ہے اور زبان اور عروض کی بیشمار غلطیوں کو دور کیا ہے اگر اُن کی نظرِ عنایت نہ ہوتی تو شاید میں اِس کتاب کو شائع کرنے کی جرأت نہ کر پاتا۔ جہاں کہیں رعنا صاحب نے کسی مصرعے یا شعر کو بدل کر لکھنے کو کہا ہے وہاں اگر معنی میں فرق پیدا ہوتے نظر آیا تو میں نے اپنے کمزور مصرعے یا شعر کو جہاں تک ممکن تھا بہتر بنا کر بحال رکھا ہے۔ اور اُن کا مصرع یا شعر فُٹ نوٹ میں دے دیا، ورنہ اپنے مصرعے یا شعر کو رد کر کے رعنا صاحب کے مصرعے یا شعر کو نظم میں شامل کر لیا ہے۔ اور اس کا اعتراف فُٹ نوٹ میں کر دیا ہے۔

دھرم سروپ

اُس عظیم ہستی کے نام جس کے مقدس پیروں سے
مجھ ناچیز کو شعر و نغمہ کی نعمت عطا ہوئی ہے

تخلیق اور اخلاق، حُسن اور حق ایک دوسرے سے
دُور نہیں، دونوں کی اصل محبّت ہے جس کی مادّی
صُورت ہے۔ خدمتِ خلق اور لطیف صُورت ہے
نغمہ شعر نام اور رُوپ، اسم اور جسم سے گزر کر یہی
محبّت یزدانیت ہو جاتی ہے۔

سری رامکرشن اوتار

سلام اے مرے معبود تجھ کو میرا سلام
تجھے تمام زمانہ سلام کرتا ہے
(بصد نیاز و عقیدت جُھکا کے سر اپنا
طواف کرتا ہے خورشید صبح و شام ترا
بڑے ہی پیار سے شبنم سے دھو کے پھولوں کو
ترے ہی قدموں میں کرتی ہے بھینٹ روز زمین
جلا کے بہرِ پجن کے ہر شام بے شمار دیئے
اتارتا ہے تری آرتی سپہرِ بریں
وفورِ شوق سے دریا و بحر رقص میں ہیں
پہاڑ جوشِ عقیدت میں سر اٹھائے ہیں
ترے حضور میں ہیں دست بستہ جنّ و بشر
تری ہی حمد کے گاتے ہیں سب فرشتے گیت)*
ہزاروں سجدے نہ میری جبیں میں کیوں تڑپیں
زباں پہ آئے نہ کیوں بار بار نام ترا
سلام اے مرے معبود تجھکو میرا سلام

سلام اے مرے معبود تجھ کو میرا سلام
تو ہے صفات سے بالا مگر صفات تمام
ہوئی ہیں آ کے مجسم تری ہی صورت میں

---

*: میں نے اصل کے پہلے مصرعے کو یوں پھیلا کر لکھا ہے۔

جنم مرن سے تجھے واسطہ نہیں، لیکن
جہاں میں آیا ہے تو آدمی کے قالب میں
ہے پاک اور مقدس ترا مبارک نام
نجات بخش و خودی سوز رام کرشن پربھو[1]
ترے ہی نام کی برکت سے بالیقیں اک دن
جگت کے جتنے بھی بندھن ہیں ٹوٹ جاتے ہیں
زباں پہ آئے نہ کیوں بار بار نام ترا
ہمیشہ سجدے نہ کیوں ہوں جبیں سے میری ادا
سلام اے مرے معبود تجھ کو میرا سلام

سلام اے مرے معبود تجھ کو میرا سلام
شعور و عقل کی پشت و پناہ ہوتے ہوئے
بلند عقل سے ہے تو، شعور سے بالا
ترا وجود منور ہے مطلع انوار
ترے جمال سے پیدا ہے رنگِ حسنِ نمود
دل و دماغ کے تاریک و تار غاروں میں
تری نظر کی شعاعوں سے روشنی پھیلی
"تمس کے سائے تھے جتنے وہ تحس نحس ہوئے"
جمال و نور کے جلووں کو بار بار سلام
سلام اے مرے معبود تجھ کو میرا سلام

---

[1] اگر آپ اپنے معبود کو "رام کرشن پربھو" کے نام سے مخصوص نہیں کرنا چاہتے تو اس کی بجائے "وانبساط انگیز" پڑھ لیجئے
"رعنا"

سلام اے مرے معبود تجھ کو میرا سلام

اٹھی ہیں تیرے شوالے سے گیت کی لہریں
کہ تیرے بھگتوں نے چھیڑا ہے تیری مدح کا ساز
ہر ایک بھگت کی آواز مختلف ہے مگر
بندھی ہیں ایک ہی سُر میں تمام آوازیں
"دلوں کے ساز ہم آہنگ ہو گئے ہیں تمام"
فضا میں نغمگی پھیلی ہے تیرے بھجنوں کی
وہ نغمگی کہ ٹپکتا ہے جس سے پریم کا رس
ثنا و حمد کے گاتا ہوں گیت میں تیرے
سلام اے مرے معبود تجھ کو میرا سلام

سلام اے مرے معبود تجھ کو میرا سلام

تری نگاہ میں ربّانیت تجلّی بار
تری نظر میں چمک آفتابِ عرفاں کی
تری نظر کی جھلک جس نے دیکھ لی اک بار
طلسمِ جہل سے اس کو ملی نجاتِ دوام
نگاہِ لطف و کرم جس پہ پڑ گئی تیری
جنم جنم کے گنہ اس کے دھل گئے سارے
شعورِ پاک کی صورت میں تو نمایاں ہے
شریک کوئی نہیں تیری ذاتِ مطلق کا
"تجھی سے حسنِ نظر ہے تجھی سے حسنِ خیال"

تو آپ نور ہے اپنا تو آپ اپنا جمال
سلام ذاتِ منوّر سلام حسنِ حیات
سلام اے مرے معبود تجھ کو میرا سلام

سلام اے مرے معبود تجھ کو میرا سلام
تو بحرِ عشقِ حقیقی، تمام پاک خیال
"ترے شعور کی لہروں میں رقص کرتے ہیں"
بلند و اعلیٰ و پاکیزہ و حسین جذبات
ترے ہی قلب کی گہرائیوں سے اٹھتے ہیں
تجھی میں عشق کی دیوانگی مچلتی ہے
تجھی سے جوشِ جنوں کا ظہور ہوتا ہے
نجات بخش و خودی سوز ہیں قدم تیرے
انہیں کا آسرا لے کر ترے پجاری سب
کنارا پاتے ہیں سنسار کے سمندر کا
سلام ملجا و ماوائے کائنات سلام
سلام اے مرے معبود تجھ کو میرا سلام

سلام اے مرے معبود تجھ کو میرا سلام
خدائے کون و مکاں رب للعالمیں ہے تو
بھرا ہے یوگ کی طاقت سے آدمی کا روپ

رعنا صاحب نے اسے یوں بدل کر لکھنے کو کہا ہے۔
"تو نورِ عشقِ حقیقی چراغِ حسنِ ازل ترے شعور کی محفل میں جگمگاتا ہے"

تُو اِس زمانے کا اوتار ہے، تُو آیا ہے
کمالِ زہد و ریاضت کی بن کے زندہ مثال
جو ہے تو لطف و کرم سے ترے ہی ممکن ہے
کہ من سمادھی میں گُم ہو کے ذات کو پائے
تُو لطف و رحم مجسّم ہے، رامکرشن پربھو[1]
"دلیلِ رحمتِ یزداں، تجھے ہزار سلام"
سلام تیری مسلسل ریاضتوں کو سلام
سلام اے مرے معبود تجھ کو میرا سلام

سلام اے مرے معبود تجھ کو میرا سلام
تری نگاہِ کرم سے تمام رنج و الم
"مثالِ حرفِ غلط ایک پل میں مٹتے ہیں"
"طلسم خانۂ ہستی کے جس قدر ہیں طلسم"
ترے بس ایک اشارے سے ٹوٹ جاتے ہیں
جو ترے پاس سے گزرا اُسے سکون ملا
اُسے نشاط ملی جس نے تیرا نام لیا
جو تیرے قدموں میں آیا اُسے نجات ملی
ہر ایک لمحہ ترا وقفِ خدمتِ انساں
"تری حیات تھی تفسیرِ جذبۂ ایثار"
سلام اشرف الانساں، سلام فخرِ بشر

---

[1] اے مرے معبود - "رعنا"

نجات بخشِ دو عالم، سلام تجھ کو سلام
سلام اے مرے معبود تجھ کو میرا سلام

سلام اے مرے معبود تجھ کو میرا سلام
تُو فرقِ جنس سے بالا ہے اے مقدس روح
خیالِ عیش و طرب تجھ سے دور بھاگتا ہے
تجھے نہ حاصل و سود و زیاں کی فکر کوئی
تُو ہے تیاگ مجسم، تُو زندہ قربانی
ترے تیاگ پہ قربان، تارکِ اعظم
تیاگیوں کا تیاگ اور تقویٰ و طاعت
ترے تیاگ سے قائم بِنائے ہستی ہے
ترا تیاگ تو سرچشمۂ محبت ہے
تو اپنے تیاگ کے صدقے مجھے محبت بخش
جنونِ عشق، خلوصِ دل و عقیدت بخش
ہمیشہ قدموں میں تیرے جھکاؤں سر اپنا
ہمیشہ ہاتھ ہوں مشغول تیری خدمت میں
ہمیشہ نام ہو تیرا زبان پر میری
مدام کرتا رہوں تجھ کو سجدہ اور سلام
سلام اے مرے معبود تجھ کو میرا سلام

سلام اے مرے معبود تجھ کو میرا سلام
نہ دل میں تیرے کوئی خوف ہے نہ کوئی ہراس
نہ ہیں دماغ میں تیرے شکوک کے سائے

یقین ہے ترا مضبوط اور مستحکم
ترے یقین کو کوئی ہلا نہیں سکتا
کہ اپنی آنکھوں سے دیکھا جمالِ حق تُو نے
تُو خود جمالِ حقیقت ہے تجھ کو میرا سلام
سلام اے مرے معبود تجھ کو میرا سلام

سلام اے مرے معبود تجھ کو میرا سلام
ترے پجاری جو سطحِ شعور سے اٹھ کر
ترے حضور عقیدت سے سر جھکاتے ہیں
جنہیں نہ شہرت و عزت کی ہے کوئی پروا
غرورِ نسل نہیں فخرِ خاندان نہیں
جو ترک کرتے ہیں سب کچھ بس اک تری خاطر
جنہیں ہے آسرا کوئی تو ایک تیرا ہے
اُنہیں تو آپ ہی اپنی شرن میں لیتا ہے
ترے سوا نہیں میرا بھی اور کوئی نہیں
ترے چرن مری پونجی ہیں میری دولت ہیں
یہی ہیں حاصلِ ہستی یہی ہیں اصلِ حیات
ترے چرن تو ہیں گنگا کا پاک نرمل جل
ترے چرن کے مقابل یہ کائنات تمام
بس ایک کھر کے نشاں میں رکا ہوا پانی
مجھے بھی چرنوں میں اپنے مرے پربھو لے لو
بس اک سلام مسلسل ہو زندگی میری
سلام اے مرے معبود تجھ کو میرا سلام

سلام اے مرے معبود تجھ کو میرا سلام

نہ فرق چھوٹے بڑے کا ہے کچھ نظر میں تری
یہاں تو ایک ، سادات کی حقیقت ہے
تو خود ہے پریم پجاری، نگاہِ پاک تری
ہے امتیازِ گناہ و ثواب سے بالا
گناہ اور بدی کے تصورات تمام
ترے وجود کی پاکیزگی مٹاتی ہے
یہ رنج و غم یہ مصائب جہانِ فانی کے
ترے خیال کی خوشیوں میں ڈوب جاتے ہیں
نہ کیوں جہاں ہو ترا طالب اور شیدائی
نہ کیوں ہو لب پہ مرے بھی یہی دعا ہر دم
کہ مجھ غریب پہ ہو جائے اک نظر تیری
سلام اے مرے معبود تجھ کو میرا سلام

نعرۂ سنیاس

وہ نغمہ جو ہُوا تخلیق کوہساروں میں
جواں ہُوا جو ہمالہ کے پاک غاروں میں
لطیف جس کا ترنم ہے آبشاروں میں
رواں دواں ہے جو گنگ وجمن کے دھاروں میں
جگاؤ نغمۂ سنیاس، اوم تت ست اوم[1] (۱)

جسے جہان کی آلائشیں نہ چھو پائیں
زن وسپر کی کوئی بندشیں نہ چھو پائیں
زمین وزر کی جسے خواہشیں نہ چھو پائیں
حصولِ مرتبہ کی کاوشیں نہ چھو پائیں
وہ پاک نغمۂ سنیاس، اوم تت ست اوم (۱)

جو لامکاں ہے وہ آئے مکاں میں پھر اک بار
بندھے فضائے زماں خود زماں میں پھر اک بار
اٹھاؤ شورِ اناالحق جہاں میں پھر اک بار
یہ نعرہ گونج اٹھے آسماں میں پھر اک بار
کہ میں ہوں سچدانند[2] اوم، اوم تت ست اوم (۱)

---

[1] سوامی جی کی نظم کے بند کا نمبر دا دین میں درج کر دیا گیا ہے۔ [2] "سچدانند" تین لفظوں سے مرکب ہے، ست، چت، آنند، یعنی وجودِ واحد، شعورِ مطلق اور سرورِ مکمل۔ "رعنا"

تمام کاٹ دو پاؤں کی بیڑیاں اپنی
یہ موہ مایا کی سونے کی بندشیں ساری
یہ بھاری آہنی زنجیر بغض و کینہ کی
تمہاری اصل غلامی نہیں ہے آزادی
لگاؤ نعرۂ سنیاس اوم تت ست اوم (۲)

یہ فرقِ نیک و بد و امتیازِ سود و زیاں
یہ خوفِ نارِ جہنم یہ شوقِ باغِ جناں
نشاط و غم کا تصور یہ بیش و کم کا گماں
نظر کا پھیر ہے اضداد کا یہ سارا جہاں
طلسم سوز ہے سنیاس، اوم تت ست اوم (۲)

نڈر ہو، شیر ہو، سنیاس کے علمبردار
شرابِ کہنۂ توحید سے ہو تم سرشار
غلام موت تمہاری، حیات باجگذار
جگاؤ سوئی ہوئی قوتوں کو پھر اک بار
لگاؤ نعرۂ سنیاس، اوم تت ست اوم (۲)

اندھیرے پھیلے ہیں چاروں طرف جہالت کے
یہ سائے اندھی محبت کے، بہری نفرت کے
گھنے ہیں گیسوئے شبرنگ حسنِ فطرت کے
چھپے ہیں سینکڑوں سورج جہاں حقیقت کے
تو خود ہے مطلعِ انوار، اوم تت ست اوم (۳)

جمی ہوئی ہے یہاں تہ پہ تہ اندھیرے کی
مگر یہ ہوتا ہے دھوکا کہ ایک ہلکی سی
دیئے کی لو ہے کہیں دور ٹمٹماتی ہوئی
امید اندھی ہے جاتی ہے ٹھوکریں کھاتی
مٹاؤ ظُلمتِ کونین اوم تت ست اوم(۳)

جہاں خیال ہے جاہ و جلال و حشمت کا
جہاں جنونِ امارت ہے خون عسرت کا
جہاں مظاہرہ ہوتا ہے محض طاقت کا
وہاں گزر نہیں ہوتا کبھی صداقت کا
سچائی عجز و مروت میں ڈھونڈ تت ست اوم(۱۰)

مچا ہو شور جہاں دار و گیر و وحشت کا
بپا ہو حشر جہاں ایک زور و قوّت کا
فساد و جنگ و جَدل ہو جہاں جہالت کا
وہاں خموش ہی رہتا ہے ساز فطرت کا
جگاؤ نغمۂ سنیاس اوم تت ست اوم(۱۰)

جہاں بھرا ہے ہَوس نے سوانگ الفت کا
جہاں جنون کی حد تک ہے پیار عورت کا
جہاں پہ ہوتا ہے دن رات خون محبت کا
وہاں ہمیشہ ہی ہوتا ہے راج ظُلمت کا
نکل تو مایا کے جنگل سے، اوم تت ست اوم(۱۰)

وصالِ یار سے گھٹتی نہیں ہے بوالہوسی
شرابِ عیش سے بڑھتی ہے اور تشنہ لبی
ہوں لاکھ پوری نہیں مٹتی خواہشات کبھی
ہمیشہ رہتی ہیں لذّات کچھ ادھوری سی
بس ایک اوم مکمل ہے، اوم تت ست اوم (۳)

بس ایک اوم کو اپناؤ، اوم تت ست اوم
بس اوم ہی میں سما جاؤ، اوم تت ست اوم
تم اپنی اصلِ خودی پاؤ، اوم تت ست اوم
جنم مرن سے نکل آؤ، اوم تت ست اوم
لگاؤ نعرۂ سنیاس، اوم تت ست اوم (۳)

یہ سچ ہے کاٹتے ہیں سب وہی جو بوتے ہیں
ہنسی خوشی کوئی رہتے ہیں کوئی روتے ہیں
کسی کی جاگتے کٹتی ہے کوئی سوتے ہیں
کچھ ایسے عمر کے بس دن تمام ہوتے ہیں
کرم کے پھیر سے لیکن ہے دور، تت ست اوم (۴)

جنم مرن کا یہ سب سلسلہ یہ مجبوری
یہ ڈال رکھی ہے اپنے گلے میں جو پھانسی
اُٹھو وویک کے خنجر سے کاٹ دو رسّی
تمہارے ہاتھ ہی میں ہے تمہاری آزادی
مٹاؤ اپنی غلامی کو، اوم تت ست اوم (۷)

خیال و خواب ہیں سارے جہان کے رشتے
نہ بھائی بندھو نہ ماتا پتا کوئی تیرے
نہ کوئی دوست نہ دشمن نہ بیوی اور بچے
تُو ہے وہ آتما جس میں سمائے ہیں سارے
نہیں ہے تیرے سوا کوئی اوم تت ست اوم (۵)

تُو اپنا آپ ہی پردہ ہے اپنا منظر ہے
"تُو خود ہی آئینہ ہے خود ہی آئینہ گر ہے"
تُو خود ہی شعر ہے، نغمہ ہے خود سخنور ہے
تُو اپنی آپ ہی منزل ہے آپ رہبر ہے
جدھر بھی دیکھ ادھر تُو ہی تُو ہے، تت ست اوم (۶)

نہ نام ہے نہ ترا روپ ہے مگر تُو ہے
نسیم ہے نہ چمن ہے نہ گل مگر بُو ہے
ترا مقام معین نہیں تُو ہر سُو ہے
تُو چھپ کے آپ ہی اپنی نظر سے خود جُو ہے
شہود و غیب ترا کھیل اوم تت ست اوم (۶)

تُو خود ہے مخزنِ انوار، اوم تت ست اوم
تُو خود ہے خالق و فنکار، اوم تت ست اوم
تُو اپنا آپ ہے شہکار، اوم تت ست اوم
تُو اپنا آپ خریدار، اوم تت ست اوم
تو اپنے راز کا جویا ہے۔ اوم تت ست اوم (۶)

"رعنا"

کہاں کہاں تُو پھرے گا بھٹکتا آوارا
نہ اِس جہاں سے نہ اُس سے ملے گا کوئی پتا
نہیں ہے دو نوں جہانوں میں کوئی تیرے سوا
تُو اپنے آپ میں کھو کر خود اپنے آپ کو پا
خودی میں دیکھ خدا، اوم اوم تت ست اوم (۷)

چمن بھی گل بھی نسیمِ سحر بھی تجھ میں ہے
یہ عرش و فرش بھی یہ بحر و بر بھی تجھ میں ہے
فسونِ حسن و طلسمِ نظر بھی تجھ میں ہے
"جنونِ علم و شعورِ ہنر بھی تجھ میں ہے"
تجھی میں رازِ صُوَر ہے تمام، تت ست اوم (۸)

خود آگہی کی مئے ناب سے ہے تو سرشار
ترے لئے نہیں اپنے کوئی، کوئی اغیار
نہ تجھ سے پہنچے کسی کو کبھی کوئی آزار
زباں پہ سب کے لئے ہو دعائے خیر ہزار
کہ سب تجھ ہی میں سمائے ہیں اوم تت ست اوم (۸)

تُو نعرہ زن ہو کہ "سنیاس پا لیا میں نے
امید و یاس سے دامن چھڑا لیا میں نے
نشاط و غم کا تصور مٹا لیا میں نے
حدودِ دشت و چمن کو ملا لیا میں نے
ملی ہے وسعتِ[1] ست نام اوم تت ست اوم[2] (۸)

---

[1] اگر "وسعت ست نام" پر اعتراض ہو تو "وسعتِ کونین" پڑھ لیجئے۔ (باقی حاشیہ [2] ۲۱ پر)
"رعنا"

" گناہ بھی مرے دامن میں پارسائی بھی
جہاں ہے نیکی وہاں مجھ میں ہے برائی بھی
خودی کا زعمِ غلط بھی ہے اور خدائی بھی
میں پابِگِل ہوں پہ ہے عرش تک رسائی بھی
جو این و آں سے میں گزرا تو اوم تت ست اوم (۸)

" جو کام لینا تھا اس سے وہ لے لیا میں نے
مری بلا سے مرا جسم اب جیئے یا مرے
گلوں سے لاد دے کوئی اسے کہ ٹھکرا دے
مرے لئے ہے برابر بُرا بھلا جو کہے!
مرے لئے تو ہر اک شے ہے اوم تت ست اوم (۹)"

تجھے جہاں میں سنیاسی، کم ہی سمجھیں گے
یہاں کے لوگ حقارت سے تجھ کو دیکھیں گے
ہر ایک بات پہ تیری ہنسی اڑائیں گے
تجھے ستائیں گے پاگل تجھے پکاریں گے
دعائیں سب کو دیئے جا تو 'اوم تت ست اوم' (۱۲)

ے اس بند کو میں نے پہلے یوں لکھا تھا۔

تو نعرہ زن ہو کہ سنیاس پا لیا میں نے ؛ نشان رنج و الم کا مٹا دیا میں نے
جہانِ عیش سے دامن چھڑا لیا میں نے ؛ خوشی سے ترکِ بہار و خزاں کیا میں نے

جب جناب رعنا صاحب نے قافیہ کی تکرار کی طرف توجہ دلائی تو اسے بدل کر لکھ دیا۔ جناب رعنا نے اسے یوں بدل دیا تھا

تُو نعرہ زن ہو کہ اب میں نے پا لیا سنیاس ؛ ہے دل میں کوئی تمنا نہ کوئی پاس نہ آس
نہ کوئی عیش نہ کوئی ملال کا احساس ؛ کیا ہے میں نے بہار و خزاں کا ترک لباس

نہیں ہے گھر نہ سہی، وسعتِ فلک ہے تری
گیاہ و برگ تو ہے بوریا نہیں نہ سہی
نہ بیش و کم ہے ترے واسطے نہ غم نہ خوشی
خیالِ ہست میں آنے نہ پائے تیرے کمی
تو اپنے حال میں رہ مست اوم تت ست اوم (۱۰)

جو دُکھی سُکھی ملے، شُکر کر خوشی سے کھا
ملے نہ کچھ بھی اگر من میں اپنے میل نہ لا
تری بلا سے جئے یا مرے یہ جسم ترا
کرم کا سلسلہ تونے تو اپنا توڑ دیا
لیا جو اپنے کو پہچان اوم تت ست اوم (۱۱)

بہار بن کے گلستاں سے تو گزرتا جا
گلوں میں شاخوں میں غنچوں میں تو نکھرتا جا
فضا میں نکہت و رنگ و جمال بھرتا جا
تو ہر نظر کو شناسائے راز کرتا جا
کئے جا عام تو جلووں کو، اوم تت ست اوم (۱۲)

بس اب تو کٹ ہی گیا سارا جال مایا کا
یہ آنے جانے کا سب سلسلہ ہی ختم ہوا
بس اب تو تیرا جنم پھر کبھی نہیں ہوگا
بس اب تو دور نہیں دن وہ تیری مکتی کا
کہ اوم میں تو سما جائے اوم تت ست اوم (۱۳)

جو چار دن ابھی باقی ہیں زندگانی کے
نشاطِ روح میں بس کر گزار دے سارے
جو دُردِ مے ابھی باقی ہے جام میں تیرے
ملا کے آنکھ سے ساقی کی آنکھ، سب پی لے
کہ بعد ازیں تو ہے بس اوم، اوم تت ست اوم (۱۳)

مٹا حجابِ نظر کوئی فاصلہ نہ رہا
نہ کوئی بندہ رہا اور کوئی خدا نہ رہا
ذرا بھی آج مَن و تُو کا ماجرا نہ رہا
نہ ہے جہاں کا نشاں کوئی ماسوا نہ رہا
جو تھا وہ ہے، وہ رہے گا دوام تت ست اوم (۱۴)

ماتا کے چرنوں میں

جمال و نورِ مجسّم، جلال کی دیوی
میں دیکھتا ہوں کہ تیرے پوتر ہاتھوں سے
غم و نشاط کی لہریں مدام اٹھتی ہیں
انہی کے دم سے روانی ہے بحرِ ہستی میں
میں دیکھتا ہوں کہ تو کارسازِ عالم ہے
ترے ہی دم سے زمانے میں خیر و برکت ہے"
یہ راز آج زمانے پہ فاش کرتا ہوں
"کہ تو ہے مادرِ گیتی کہ تو ہے جگ ماتا"

رواں دواں ہیں ترے دم سے بحرِ ہستی میں
یہ نور و حسن کی پریاں یہ زیست کی موجیں
ترے ذرا سے اشارے سے یہ حسیں لہریں
بگڑ کے جوشِ تلاطم کا روپ بھرتی ہیں
میں سوچتا ہوں کہ آخر یہ سلسلہ کیا ہے؟
میں پوچھتا ہوں بتا دے مجھے جگت ماتا
کہ تیری سعیٔ مسلسل کا مدعا کیا ہے؟
یہ تو جو صبح و مسا کام کرتی رہتی ہے

یہ تیرا کام کہ دم بھر کو بھی نہیں رُکتا
تُو کائنات کے بگڑے ہوئے توازن کو
بحال پھر سے کیا چاہتی ہے کیا ماتا؟
سُروں سے نغمۂ ہستی کے دُور کرکے خلل
تُو چاہتی ہے کہ پیدا ہو پھر ہم آہنگی؟
ترے ہی ہاتھوں سے تشکیلِ وقت ہوتی ہے
ترے ہی بس میں ہیں ماضی و حال و مستقبل
جو ہو چکا وہ ہوا حکم سے ترے اور اب
جو ہو رہا ہے اشارے سے ہو رہا ہے ترے
ترے خیال میں قائم ہے نقشِ مستقبل
"جو رفتہ رفتہ اترتا ہے تیری نظروں سے"
حسیں شہود کی نیرنگیوں کے پردہ پر

ترے ہی دستِ مقدس سے سب کو ملتا ہے
یہ ناپ تول کے اعمالِ نیک و بد کا صلہ
تو ہی کرم کے سلاسل میں باندھ دیتی ہے
ہر ایک جیو کو، آنکھوں پہ باندھ کر پٹی
"تو ہی نجات دہندہ ہے سارے عالم کی"
ترا ہی بچہ ہوں میں تیرے پاس آیا ہوں
مجھے سعادت و برکت کا دان دے ماتا

"رعنا"

یہ کائنات تماشا ہے حسنِ فطرت کا؟
یہ کیا ظہور ہے ایسی ازل کی طاقت کا
نہ جو ہوئی کبھی پیدا نہ جو مرے گی کبھی؟
قضا کا کھیل ہے اک، یہ تمام دنیا کیا؟
نہیں کسی کو بھی آغاز کا پتا جس کے
"نہیں کسی کو بھی انجام کی خبر جس کے؟"
میں دیکھتا ہوں کہ تو ہے وہ قوّتِ مطلق
کہ جس کے آگے کوئی سر اٹھا نہیں سکتا
تری رضا ہے محرّک تمام فطرت کی
ترے اشارے پہ چلتی ہے کائنات تمام
جنہیں سمجھتے ہیں قدرت کے ہم اٹل قانون
وہ سب ہیں تیری رضا ہی کی مختلف شکلیں
ترے ہی دم سے جہانِ شہود قائم ہے
میں ہو چکا ہوں حقیقت سے تیری اب واقف
میں سب کو چھوڑ کے تیری شرن میں آیا ہوں
مجھے شرن میں تجھے اپنی لینا ہی ہوگا
ترے جلال کا مظہر ہیں طاقتیں ساری
انہیں کے دم سے ہے قائم نظام دنیا کا
وہ طاقتیں کہ نہیں جن کی انتہا کوئی
جو کائنات کے اس بے کراں سمندر میں

"دھرما"

ہیں مدوجزرِ حیات و ممات کی خالق
ڈبو رہی ہیں جو وحدت کو رنگِ کثرت میں
جو لازوال حقیقت کو بے ثباتی کا
لباس دے کے تغیر پذیر کرتی ہیں
جو وقت آنے پہ کثرت کی تُند لہروں کو
سمیٹ لیتی ہیں دامن میں پھر سے وحدت کے
میں دیکھتا ہوں کہ سب طاقتیں یہ تیری ہیں
نہیں ہے تیرے سوا اور کوئی جگ ماتا
ترے ہی چرنوں میں آتے ہیں سب شرن لینے
مجھے بھی تیرے سوا آسرا کسی کا نہیں
مجھے شرن میں تجھے اپنی لینا ہی ہوگا

تری نظر میں برابر ہیں دوست اور دشمن
ترا کرم ہے امیر و غریب پر یکساں
حیات و موت ترے لطف ہی کے دو رُخ ہیں
اِدھر ہیں زندگیٔ لازوال کے انوار
اُدھر ڈراؤنے تاریک موت کے سائے
حیات و موت سے بالا ہے تو جگت ماتا
"ہے خندہ ریز تو ہی دونوں کے پسِ پردہ"
مری دعا ہے یہی، آرزو یہی ہے مری

"دعا"

ہمیشہ تو رہے آنکھوں کے سامنے میری
ترے جمال کا میری نظر میں نور رہے
ملے شگفتگی مجھ کو ترے تبسم سے
تری عنایت و شفقت کی ہو نظر مجھ پر
میں تیرے چرنوں میں آیا ہوں تیرا بالک ہوں
تو میری ماں ہے محبت پہ تیری حق ہے مرا

سمجھ تو سکتا نہیں میں تری حقیقت کو
کہاں تو اور کہاں میری قوّتِ ادراک
سمائے ذرے میں کس طرح وسعتِ افلاک
شعور و عقل کے تو دائرے سے باہر ہے
تری صفات کا میں لاکھ لاکھ ذکر کروں!
تجھے بیان کے بندھن میں لا نہیں سکتا
مرا دماغ، مری عقل ہے بہت محدود
مگر یہ بات مرے اختیار میں ہے ضرور
جھکا کے سر تیرے چرنوں میں ہوں شرن تیری
یہی وہ پاک و مبارک چرن ہیں جن کا خیال
ہمیشہ کرتے رہے دیوی دیوتا سارے
انہیں کو پا کے ہی مٹتا ہے دل کا خوف و ہراس
میں آج تیرے ہی چرنوں میں سر جھکاتا ہوں
جہنم سے تو نے ہی ماتا دکھائی راہ مجھے

قدم قدم پہ سنبھالا پکڑ کے ہاتھ مرا
کبھی جو دل مرا گھبرا کے کچھ ہوا مایوس
امید تو نے بندھائی تھی کامیابی کی
سفر کٹھن تھا بڑی مشکلیں تھیں راہوں میں
مگر کچھ ایسا تھا جادُو تری محبت کا
کہ مشکلاتِ سفر کو بنا دیا آساں
ہزار شکر کہ تیری مدد سے اے ماتا
کمالِ زیست کی منزل پہ آ گیا ہوں میں

دل و دماغ کو بخشی ہیں وسعتیں تُو نے
حدودِ عقل و خرد کو مٹا دیا تُو نے
ترے ہی فیض سے ماتا مجھے ہوا حاصل
شعورِ وحدتِ ہستی، خودی کا وہ احساس
کہ جس کو پا کے نہیں اور کچھ مجھے پانا
بس اب تو ایک تُو ہی تُو ہے اور کوئی نہیں
ترا ہی جلوہ نظر میں ترا ہی دل میں خیال
جو کام کرنا ہے مجھ کو وہ سارا نرپھل ہو
نہیں رہی مجھے اس کی ذرا بھی اب پروا
کہ اس سے نکلیں نتیجے بڑے بڑے جگ میں
یہ کام تیرا ہے تیرے ہی حسبِ منشا ہو
عطا کیا ہے جو مجھ کو شرف یہ خدمت کا

یہی ہے آخری انعام میری محنت کا
بس اب تو ایک یہی التجا ہے اے ماتا
سدا ملی رہے نعمت مجھے یہ خدمت کی
میں تیرے چرنوں کی دولت سے مالا مال رہوں

رقصِ خودی میں مست ہے شنکر

شنکھ بجاتے گال ہیں پھولے
کھوپڑیوں کا ہار گلے میں
وجد میں آکر جھوم رہا ہے
اُس کی جٹاؤں میں رقصاں ہے
گنگا کی طوفانی لہریں
اُٹھتے ہیں ترسول سے شعلے
نُور سے مستک ہے نورانی
رقصِ خودی میں مست ہے شنکر

کالی ماتا

نگل کر آسماں کے سب ستارے
اندھیری رات کی بے رحم ڈائن
فلک پر دندناتی پھر رہی ہے

ہوا بپھری ہوئی ہے چیختی ہے
اچانک توڑ کر زنداں کو جیسے
نکل آئی ہوں دیوانوں کی روحیں

یہ روحیں ڈال کر باہوں میں باہیں
کبھی جو بے تحاشہ ناچتی ہیں
بگولے بن کے آندھی گھومتی ہے

سمندر طیش میں آ کر کچھ ایسے
اٹھا کر اپنی لہروں کی چٹانیں
زمین و آسماں پر پھینکتا ہے
بپا ہر سمت ہوتی ہے قیامت

بھیانک دیو صورت کالے بادل
مئے پندار سے بدمست ہو کر
پکڑ کر ہاتھ سب اک دوسرے کا
فضائے زندگی پر چھا رہے ہیں

کڑکتی بجلیوں کی روشنی میں
نظر آتے ہیں لاکھوں دُوت یم کے
مجسم خوف و ہیبت، کالے کالے
خوشی سے ناچتے اور روندتے

وبائیں ہر طرف پھیلا رہے ہیں
اجل کے گھاٹ اترتے جا رہے ہیں
یہ انساں جیسے ہوں حشراتِ ارضی
جدھر دیکھو اُدھر برپا قیامت
کہیں آنسو کہیں نالے کہیں غم

تُو ہی ماں ہے تُو ہی دیوی ہے اَچیا
ترے ہی نام سے پیدا ہے ہیبت
ترے ہی دم سے قائم یم کی ہستی
اگر چاہے تو اک ٹھوکر سے تیری
جہانِ رنگ و بو ہو جائے برہم
زماں تجھ سے مکاں تجھ سے ہے آجا
یہ تخریبِ جہاں تجھ سے ہے آجا

فقط وہ آئے گا تیرے مقابل
ترے جلوے کی لائے گا وہی تاب
خوشی سے جو اجل کا جام پی کر
شریکِ رقصِ تخریب و فنا ہو

میں تیرے حُسن کا بھی ہوں پجاری
تری ہیبت سے بھی ہے پیار مجھ کو
میں رنگ و بو کا دلدادہ ہوں لیکن
نہیں برقِ فنا کا خوف مجھ کو
مجھے ہے نُور پاروں سے محبت
اندھیروں سے نہیں لیکن گریزاں
تو آ جس رنگ میں ہو تیری مرضی
مجھے ہر رنگ ہے منظور تیرا
تو ہی ماں ہے تو ہی دیوی ہے آجا
ترے درشن کو ہوں بے تاب اب میں
لبوں پر آئی ہے اب جان میری
تو ہی ماں ہے تو ہی دیوی ہے آجا

سمادھی

نہ ہیں چاند سورج، نہ کوئی ستارے
کہیں روشنی کا نشاں تک نہیں ہے
خلائے فضا کی ہے بس بے کرانی
جہاں نقشِ موہومِ عالم کا سایہ
ہے امواجِ ہستی کے دامن میں رقصاں

خلا من کی ہے موج در موج پیدا
خودی کی زبردست رَو چل رہی ہے
اسی رَو میں دنیا بہے جا رہی ہے
کبھی ڈوبتی ہے کبھی تیرتی ہے
یہ سارا ہجومِ نقوشِ خیالی
یہ موہوم سایوں کا رقصِ تماشا
ہوا بطنِ تخلیق میں پھر سے غائب
رہا صرف احساس باقی خودی کا
رہی موجزن صرف اک رَو اَنا کی

وہ دیکھو اَنا کی بھی رَو رُک گئی ہے

خلا سے خلا اب گلے مل رہی ہے
بیاں ایسی حالت کا ممکن نہیں ہے
یہ عالم تو ادراک سے ماوَرا ہے
یہ جس دل پہ گزرے وہی جانتا ہے

"جانے دے کرشنا"

(۱)

جمنا کے تٹ پر جانے دے کرشنا — جانے دے کرشنا
میں تو ہوں داسی تیری مراری — روک نہ رستہ
جوڑ کے ہاتھ کروں میں بنتی — جانے دے کرشنا
جانے دے موہن، جانے دے ساجن
جمنا کے تٹ پر جانے دے کرشنا — جانے دے کرشنا

(۲)

پریم کی ماری ابلا ناری — چھیڑ نہ سجنا
بھرنے دے شیتل جل سے گگریا — روک نہ رستہ
جانے دے موہن، جانے دے گردھر
جمنا کے تٹ پر جانے دے کرشنا — جانے دے کرشنا

"جے جے شِوا"

جے جے شِوا جے جے شِوا
جے نیل کنٹھ، جے دیوتا

اے خسروِ ہر دو جہاں — ہے شان تیری بیکراں
یہ آسماں کی وُسعتیں — ق — یہ نیلی نیلی رِفعتیں
پیدا تری نسبت سے ہیں — قائم تری برکت سے ہیں
انوارِ حسنِ پاک کی — ق — اس جلوۂ بے باک کی
ہے اک جھلک روشن رُخی — مہر و مہِ افلاک کی
تجھ سے ظہورِ زندگی — تجھ سے ہے نورِ زندگی
سنسار کا خالق ہے تُو — سب خلق کا رازق ہے تو
تجھ ہی میں آخر یہ جہاں — ہو جائے گا اک دن نہاں
بس تُو ہی تُو ہے دیوتا — کچھ بھی نہیں تیرے سوا

جے جے شوا۔ جے جے شوا
جے نیل کنٹھ۔ جے دیوتا

میری بھی ہے آرزو — چرنوں میں تیرے ہی پڑا ہو
سب پریم ہو اُر پن مرا — ق — ہو جان و دل تجھ پہ فدا
یہ سوزِ عشقِ جاں گسل — یہ "شمعِ بزمِ آب و گِل"

"رعنا"

دل کا یہ دردِ بیکراں ق یہ سوز و سازِ جاوداں
تجھ ہی سے سب منسوب ہو ق تو ہی مرا مطلوب ہو

جے جے شوا جے جے شوا
جے نیل کنٹھ ۔ جے دیوتا

اے حکمرانِ دو جہاں — اے سرورِ کون و مکاں
تو ہے خداؤں کا خدا — تو دیوتوں کا دیوتا
سب کو ہے تیرا احترام — کرتے ہیں سب تجھ کو سلام
لیکن تصوّر یہ ترا ق کہتا جو ہوں تجھ کو خدا
میرا ہی حسنِ شوق ہے — تو اس سے بھی مافوق ہے
یہ بندگی یہ خسروی — یہ سب طلسمِ زندگی
یہ پردۂ موت و حیات ق یہ دردِ غم یہ انبساطؔ
آواگون کا سلسلہ ق ما دُشما کا فاصلہ
یہ سحر ہوتا ہے فنا ق تیری نظر سے دیوتا
مایا کی ساری تیرگی ق اُٹھتی ہے بن کر روشنی
برقِ فنا تیری نظر — سوزِ بقا تیری نظر
تیری نہ کوئی ابتدا — تیری نہ کوئی انتہا
تجھ میں بسے ہیں سب جہاں — "تو ہے محیطِ بیکراںؔ"
شوقِ نظر سے کر لیا — تجھ کو مجسم بر ملا
میری محبت نے دیا ق اک نام تجھ کو دیوتا
تجھ کو مہادیوا کہا — تو ہے خدائے کبریا

ؔ صوتی اعتبار سے میں یہ قافیہ جائز سمجھتا ہوں - ۔ "اقبالؔ"

جس پر تری رحمت ہوئی   جس کو تری الفت ملی
جس کو لیا تو نے لگا   ق   اپنے گلے سے دیوتا
اُس کی نظر کو مل گئی   ق   عرفانِ حق کی روشنی
دل میں محبت بھر گئی   ق   جان میں مسرت بھر گئی
جاہ و جلال و مرتبت   شان و شکوہ و سلطنت
خوابِ پریشاں ہو گئے   ق   عکسِ گریزاں ہو گئے
وہ تیرا ہو کر رہ گیا   جس کا ہُوا تُو دیوتا
مجھ کو بھی اپنا لے پربھو   چرنوں میں رہنے دے پربھو

جے جے شوا جے جے شوا
جے نیل کنٹھ، جے دیوتا

تو ہے سکونِ آگہی!   تو ہے مجسم شانتی
تیری ہی شکتی سے مگر   ق   پیدا ہے افسونِ نظر
تجھ سے ہے ساری کائنات   جس کو نہیں دم بھر ثبات
تجھ میں ہے چنچل من بسا   جس نے یہ سارا جگ رچا
اک شورشِ پیہم ہے جو   ق   شیرازۂ برہم ہے جو
جس من کے دم سے ہے بپا   کرموں کا طوفانِ بلا
جس کی بدولت طاقتیں   ق   ہستی کی ہیں ہیجان ہیں
بن کر ہوائے تند و تیز   ق   شورش فزا طوفاں خیز
خاموش سطحِ آب پر   ق   بنتی ہیں لہریں سر بسر
جس سے سکونِ آگہی   بنتا ہے امواجِ خودی
وحدت ہی وحدت کا سماں   بنتا ہے کثرت کا جہاں

لہروں پہ اس طوفان کی — پلتا ہے احساسِ دوئی
جس کی بدولت سلسلہ ق — یہ عابد و معبود کا
یہ فرقِ بندہ و خدا ق — سنسار میں پیدا ہوا
بیرپردۂ ما و شما — احساسِ ہستی و فنا
انوارِ ہستی کا جمال ق — تخلیق کا نفسِ خیال
تیرا ہی سارا کھیل ہے ق — یہ سب تماشا کھیل ہے
جاری ہے جبتک کھیل یوں — تُو اور ہے میں اور ہوں
کرتا ہوں میں تجھ کو سلام — گاتا ہوں تیرے گُن دوام
کرتا ہوں میں پوجا تری — پوجا میں پاتا ہوں خوشی
سرچشمۂ الفت ہے تُو — بخشندۂ راحت ہے تو
تجھ ہی کو پانا ہے مجھے — تجھ میں سمانا ہے مجھے
تیری ہی جے ہو دیوتا
جے جے شوا جے جے شوا

میں سوچتا ہوں بارہا — پیدائشِ عالم ہے کیا
اور موت اس سنسار کی ق — کیا ہو بھی سکتی ہے کبھی
یہ فکرِ آغاز و مآل — یہ سب پراگندہ خیال
یک جا جو ہوتے ہیں کبھی ق — تو دیکھتا ہوں زندگی
قائم تری ہستی سے ہے ق — باقی نہیں کچھ اور شے
کوئی نہیں تیرے سوا — بس تُو ہی تُو ہے دیوتا
تو ہے لطافت سربسر ق — تو ہے نفاست سربسر
پیدا ہے عالم کا کنول — اے مظہرِ حسنِ ازل

تیرے لطیف ادراک کے — اک ارتعاشِ پاک سے
عقل و خرد فکر و نظر — ق — پاکیزہ ہو کر سر بسر
واحد حقیقت میں تری — آکر سموتے ہیں سبھی
تخلیق کی نیرنگیاں — جو تجھ سے ہوتی ہیں عیاں
تجھ میں سما جاتی ہیں سب — ق — مرکز پہ آجاتی ہیں سب
"یوں جگمگاتا ہے شعور — ہوتا ہے اک احساسِ نور"
طوفانِ تغیرِ حیات — پاتا ہے تسکینِ ثبات
ہوتا ہے جب تجھ میں فنا — عالم کو ملتی ہے بقا
ہے اصل میں تیرا وجود — سرچشمۂ غیب و شہود
تیرے لبوں کی خامشی — شورِ جنونِ زندگی
یہ طبع کی جولانیاں — جذبات کی طغیانیاں
تجھ ہی میں کھو کر رہ گئیں — ق — خاموش ہو کر رہ گئیں
بے چین دل کو مل گئی — تسکینِ کامل. شانتی
چاروں طرف ہے روشنی — بے رنگ نورِ پاک کی
بس ایک تیری ذات ہے — گنجینۂ برکات ہے
تُو ہی مرا معبود ہے — تُو ہی مرا مسجود ہے
کرتا ہوں میں پوجا تری — ہر دم ہے تیری آرتی
ہر ہر ہرا - ہر ہر ہرا
جے جے شوائے جے شوا
ظلمت نہیں باقی کہیں! — اس کا تصوّر تک نہیں

"رعنا"

رخصت ہوئے سائے سبھی — تھے ہی نہیں گویا کبھی!
انوارِ جلوہ ہر طرف — حسنِ تماشا ہر طرف
کیا شوخیٔ تنویر ہے — دلکش ہے دامنگیر ہے
جیسے کنول کے پھول کی — ق — پاکیزگی و دلکشی
تُو مطلعِ انوار ہے — تُو ماہ و انجم زار ہے
تیرے فروزاں قہقہے — ہوں پھول جیسے نور کے
کرتے ہیں تیرا دھیان جو — پاتے ہیں تیرا گیان جو
دل جن کا اپنے بس میں ہے — ق — تواُن کے ہی بس میں ہے
اپنا جنہیں پاتا ہے تُو — خود ان کا ہو جاتا ہے تُو
"تُو حسن کی معراج ہے — ہنسوں[۱] کا تُو سرتاج ہے"
اے میرے من کی جھیل پر — صد تمکنت سے راج کر
شاہوں کا تُو ہے بادشاہ — ق — دے اپنے خادم کو پناہ

جے جے شوا جے جے شوا
جے نیل کنٹھ جے دیوتا

کلجُگ کی کالک پھیل کر — داماںِ پاکِ زیست پر
بنتی ہے داغِ بدنما — ق — تُو اس کو دیتا ہے مٹا
پاکیزہ نظروں سے تری — مٹتی ہے جگ کی ہر بدی
تیری نگاہِ قہر سے — اٹھتے ہیں شعلے برق کے
"جلتے ہیں جن سے ناگہاں — پاپوں کے سارے آشیاں"
اے یوگ کے عامل تجھے — اے زاہدِ کامل تجھے

---

۱ یعنی راج ہنس ،، رعنا ،،

سو بار ہو میرا اسلام باصدق وشوق واحترام

جے جے شوا جے جے شوا
جے نیل کنٹھ جے دیوتا

تجھ پر ہے جان ودل فدا اے جان ودل کے دیوتا
تیرے جمالِ زہد کی ق یہ دلکشی یہ دلبری
موہت ہوئی تجھ پر اُما اے پاکباز و دلربا
تیرا ہی زہدِ پاک تھا جو تاب گنگا لا سکا
اُتری جٹاؤں میں تری آکاش کی پاکیزگی
تیری نگاہِ لطف کا ہے بےکسوں کو آسرا
کمزور کا رکھشک ہے تو نادار کا پالک ہے تو
جگ کی بھلائی کے لئے مرنا تجھے منظور ہے
زہرِ بدی تو نے پیا کلیان ہم سب کا کیا

جے جے شوا جے جے شوا
جے نیل کنٹھ، جے دیوتا

"ناچنے دے شاما کو دل میں"

۱

صحن چمن میں صبح کا منظر ہوش رُبا ہے دلکش ہے
اوس نہائی، تازہ شگفتہ، سُندر، شرمیلی کلیاں
اٹھتی جوانی کی خوشبوئیں اور حیا کا رنگ لئے
بادِ صبا کا آنچل اوڑھے سیرِ چمن کو آئی ہیں
رنگ اور بُو کے بھوکے بھنورے اپنی سب سُدھ بُدھ کھو کر
ناچتے گاتے جھوم رہے ہیں مستی کی حالت میں
شہد کی مکھیاں پاگل ہو کر چوم رہی ہیں پھولوں کو
جام دیئے جاتے ہیں پیہم پھول بھی ان کو ہنس ہنس کر
ڈوب گئی مستی میں دنیا مستی کی رُت آئی ہے

○

اہلِ فلک کے دل میں مسرت آنکھ میں مستی چھائی ہے
نور و جلالِ پاک کی کرنیں پھوٹ رہی ہیں چہروں سے
رحمت و برکت کی مسکاہٹ کھیل رہی ہے ہونٹوں پہ
یہ انوارِ مجسّم ہو کر چاند کی کرنیں بنتے ہیں
اور سیہ خانوں کو جگ کے دامن میں لے لیتے ہیں

۱؎ کالی دیوی۔

صندل کی خوشبو سے معطّر بادِ بہاراں چلتی ہے
نرم سے جس کے لمس سے جانے کیا جادو سا ہو جاتا ہے
بھولی بسری لاکھوں یادیں تازہ ہونے لگتی ہیں
حسن اور نور کے دلکش جلوے آنکھوں میں بس جاتے ہیں
مست و خراماں ندیاں میٹھے پریم کے نغمے گاتی ہیں
جوشِ خودی میں نعرۂ طوفاں دریاؤں سے اٹھتا ہے
میلوں پھیلی، بحر نما، جھیلوں کے فرشِ مرمر پر
کرنوں کا نورانی آنچل اوڑھے پریاں موجوں کی
"حلقہ بنا کر رقص کناں ہیں پیہم نغمے گاتی ہیں"
پھول کنول کے جھوم رہے ہیں "پریم رس" بھونرے گاتے ہیں
حسن اور نور کا رقص مسلسل یونہی جاری رہتا ہے
نغمۂ ہستی کے میٹھے سُر ہر سو پھیلتے جاتے ہیں
گونج رہے ہیں اس نغمے کے سُر کہسار کے غاروں میں
جھرنوں کی جھنکار کی صورت میں یہ سُر سیّال ہوئے
ندیاں مستی میں لہراتی گاتی آتریں وادی میں
ہریالے پتّوں میں چھپ کر گیت پرندے گاتے ہیں
پریم کے نغمے ان کے دل سے بےتابانہ اٹھتے ہیں

○

نقش و نگارِ زیست کا خالق، مہرِ منور وہ دیکھو
اپنی نورانی کرنوں سے خاکِ زمیں کے پردے پر
حسن و ضیا کے پس منظر میں رنگ سنہری بھرتا ہے

ہوتی ہیں تخلیق جہاں میں جیتی جاگتی تصویریں
حسن وضیا کے وہ شہ پارے ناز ہے جن پر فطرت کو
فکر و نظر ہے جن سے تازہ قلب و جگر جن سے مسرور
دیکھ کے جن کو رگ رگ میں طوفانِ تمنا اٹھتا ہے

۲

دَل کے دَل بادل وہ آئے جنگ کا وہ طوفان اٹھا
باہم یوں ٹکرائے بادل شورِ قیامت جاگ اٹھا
رعد کے بھاری گرزوں سے اک دوسرے کا سر پھوڑتے ہیں
اور فضا میں بجلی کی تلواریں لہرا لہرا کر
خونِ عناصر پی کر اپنی پیاس بجھاتی جاتی ہیں
ہر جانب اک شور مچا ہے آئی آندھی پرلے کی
ظلمت ہی ظلمت چھائی ہے دیکھ کے جی گھبراتا ہے
دھرتی اور آکاش سیاہی کے طوفان میں ڈوبے ہیں
موت فنا کرتی جاتی ہے ہستی کی ہر صورت کو
کالے دیوں کی صورت میں لہریں اٹھ کر ساگر سے
ایک ہی مہلک وار میں لاکھوں پربت مار گراتی ہیں
یہ سب ہنیا چار بچاری دھرتی دیکھتی جاتی ہے
بے بس ہے مجبور ہے اس سے کچھ بھی بن پڑتا ہی نہیں
اپنی ہی اولاد کو اپنے سامنے مرتا دیکھتی ہے
اس کو اپنی فکر پڑی ہے تھر تھر خوف سے کانپتی ہے

لو دھرتی میں ہوا دھما کا گِری فضا میں سر کے بل
موت کے ہاتھوں نے یوں اس کو دُور اٹھا کر پھینکدیا
جیسے گھُما کر پھینک دے پتھر کوئی ہمالہ کی چھت سے
ٹوٹ کے ایسے گرتے ہیں ہر جانب دھرتی کے پرزے
جیسے بدن کے ٹکڑے کٹ کر گرتے ہوں رن بھُومی میں
اس کی گہرائیوں سے شعلے لہرا کر یوں اٹھتے ہیں
کوہ و دمن اک پل میں یکسر خاکستر ہو جاتے ہیں
یوں تخریب کے ہاتھوں ماری توڑ رہی ہے دم دھرتی
تن سے علیحدہ سر ہے اگر تو ہاتھ کہیں ہیں پاؤں کہیں
تن کے ٹکڑوں سے فوارے گرم لہو کے جاری ہیں

۳

نیلی نیلی جھیل کے تٹ پر ہے اک عالی شان محل
جس کے قدموں کو جل پریاں چوم رہی ہیں بڑھ بڑھ کر
صحن میں جس کے فرش بچھا ہے نرم کنول کے پھولوں کا
جس کے اندر عیش و طرب کے سب سامان مہیا ہیں
دُختِ رَزاگ حرص و ہوس کی دنیا لے کر سینے میں
پیار سے آنکھوں ہی آنکھوں میں چپکے چپکے کہتی ہے
حسن جواں ہے عشق جواں ہے عیش کے دن ہیں عیش کرو
ساتھ ہی نغمے ساز سے اٹھ کر بے تا بانہ کہتے ہیں
رات سہانی مست ہوا ہے آج مچلنے دو دل کو

"آج اسے سرشارِ جوانی، مستِ محبت رہنے دو"
آج برسنے دو جی بھر کے پیار کے امڈے بادل کو
پریم بھرے اِن دو نینوں کے گہرے نیلے ساگر میں
پی کے ملن کے دیکھو تو انمول دمکتے موتی ہیں
آج کی شب یہ سارے موتی دامن میں اپنے بھر لو
نرم و نازک ہاتھ تو دیکھو کیسی ادا سے اٹھتے ہیں
بڑھتے چلے آتے ہوں جیسے ناگ اٹھائے پھن اپنا
مرمریں باہیں ہار بنی ہیں تازہ شگفتہ پھولوں کا
پیتم کی گردن میں حمائل ہونے کو بیتاب ہے جو
تیز بہت ہے دل کی دھڑکن سانسیں لمبی لمبی ہیں
خشک لبوں کی پیاسی سرخی انگاروں کا روپ لئے
رُک رُک کر اٹھتا ہے برابر گرم آہوں کا نرم دھواں
تپتے رخساروں پر آنسو موتی بن کر بہتے ہیں
دل میں ہے جذبات کی شورش، لب پہ مہرِ خاموشی

۴

طبل بجا، وہ جنگ چھڑی، وہ فوجیں الجھیں شور مچا
کانپ رہی ہے ساری دھرتی جانبازوں کے پاؤں تلے
کتنی بھیانک ہے رن بھومی موت کے ظالم کارندے
جبڑے کھولے، شور مچاتے، چاروں طرف منڈلاتے ہیں
توپیں گرجیں، شعلے لپکے، گولے برسے، آگ لگی

پہونچے ہیں آ کاش میں اڑ کر ٹکڑے ہاتھی گھوڑوں کے
گولوں کی بوچھار سے چھلنی سینے ہیں جانبازوں کے
کھیل رہے ہیں موت سے پھر بھی آگے بڑھتے جاتے ہیں!
خون آلودہ جھنڈا ان کا ساتھ ہی اُن کے جاتا ہے
ایک علم بردار گرے تو اور اک آگے بڑھتا ہے
جھنڈے کو جھٹ تھام کے اپنے اور بھی اونچا کرتا ہے
لو وہ بہادر جا ہی پہونچے ہیں دشمن کی چوکی پر
بند ہوا منہ توپ کا نعرہ گونج اٹھا ہے نُصرت کا
گرم لہو کے تازہ چھینٹوں کا دامن میں رنگ لئے
فتح کا جھنڈا اونچا اٹھ کر آگے آگے بڑھتا ہے
کندھوں پر بندوقیں ڈالے مست سپاہی جھوم اٹھے
بے سر، بے دست و پا لاشیں چاروں جانب بکھری ہیں

(۵)

ماس یہاں ہے ماس کا بھوکا، تن کو تن کی چاہت ہے
سب یہ سمجھتے ہیں کہ اسی میں ساری خوشیاں مضمر ہیں
صبح و مسا سب نفس و ہوس کے بندے ہو کر رہتے ہیں
ہوتی ہے محدود ہماری زیست حواسِ خمسہ پر
آنکھ ترستی ہے ہر لمحہ حسن کے رنگیں جلوؤں کو
اور مشامِ جاں کو لگن ہے ہوش رُبا خوشبوؤں کی
لمسِ لطیف و گرم کو اکثر ہاتھ تڑپتے رہتے ہیں

شہد کے پیاسے ہونٹ ہمیشہ سرخ لبوں کو ڈھونڈتے ہیں
"کون لگاتا ہے سینے سے غم کے نکیلے کانٹوں کو"
رنج والم کے زہر کا ساغر کون خوشی سے پیتا ہے
سب کو تلاشِ جامِ جم ہے. عیش وطرب کی خواہش ہے
عیش وطرب کے خُم میں پڑی ہے رنج والم کی کڑوی مے
امرت میں ہے زہر بھی شامل. موت ہے جیون کا حصہ
پھر بھی سب تکمیلِ طرب کی آس لگائے رہتے ہیں
کون ہے ایسا شیر جو درد وغم کو خوشی سے سہتا ہے
سیلِ حوادث کا ہنس ہنس کر کون سواگت کرتا ہے
نُور کا ہے وہ کون پجاری جو اندھیاری راتوں کی
اُجلے اُجلے دن کی صورت دل سے پوجا کرتا ہے
یاں تو سب کے دل میں ڈر ہے خوف بھرا ہے رگ رگ میں
کوئی بھیانک شکل نظر آئے تو لرز اٹھتے ہیں ہم
حسن وجمالِ ہستی کے بس ہم تو طالب وشیدا ہیں
اپنی نگاہوں میں جچتا ہے حسن کا رنگیں روپ فقط
خشم آلودہ چہرہ، برہم زلفیں، قہر بھری نظریں
حسن کا یہ رخ دیکھنے کی کمزور دلوں کو تاب نہیں
کون ہے جو سچے دل سے کالی کی پوجا کرتا ہے؟
کون ہے شاما کا شیدائی؟ موت سے کس کو خوف نہیں؟
کس کو خبر ہے موت کا یہ بہروپ بھرا ہے ماتا نے
دیکھتے ہیں جب ہم دیوی کے ہاتھ میں اک خونیں تلوار

خوف دلوں پر چھا جاتا ہے، ہم گھبرا کر اٹھتے ہیں!
اور بدل کر رکھ دیتے ہیں ہنسی سے تلوار کو ہم !
چاہتے ہیں بس کرشن کے سندر روپ میں دیکھیں شاما کو
دل کی تسلی کو یہ تصوّر لاکھ غنیمت ہے لیکن
ہیبت ناک یہ کالی دیوی جو ہے سراپا خوف وہراس
ہے جو ہر تخریب کا باعث اور فنا بالذات ہے جو
اصل میں ہے ہستی کی حقیقت اس کی واحد ہستی ہے
ست چت آنند یہی ہے یہی برہمہ، وشنو، شنکر
کرشن اسی کا عکسِ منور، رام اسی کا رنگِ جمال
میں تو ہوں ماتا کا پجاری، دیوی سے کب ڈرتا ہوں
آ ماتا تو درشن دے کر کاٹ دے مایا کا یہ جال
یہ افسونِ عیش و طرب، یہ رنگِ طلسمِ نفس وہوس

۹

علم ہے مجھ کو ماتا تیری لاکھوں پوجا کرتے ہیں
لیکن اس پوجا کی تہ میں خوف ہے تیرا پیار نہیں
کھوپڑیوں کا تیرے گلے میں ڈالتے ہیں یہ ہار مگر
دیکھ کے تجھ کو ڈر جاتے ہیں ڈر کر پیچھے ہٹتے ہیں
"کہنے کو تو کہتے ہیں یہ تجھ کو سراپا رحم و کرم"
اصل میں تیرے قہر سے ڈر کر تیری پوجا کرتے ہیں
"پوجا کے پردے میں تجھ سے بھیک دیا کی مانگتے ہیں"

خوف زدہ پُوجا پر ان کی تجھ کو ہنسی آجاتی ہے
تیری ہنسی جب بجلی بن کر دنیا پہ چھا جاتی ہے
کانپ اٹھتے ہیں تیرے غضب سے تیرے یہ سارے طالب
دل کی تسلّی کو وہ لیکن کہتے ہیں محفوظ ہیں ہم!
قہر ترا گرتا ہے فقط شیطان صفت انسانوں پر
سب بنتے ہیں تیرے طالب، تیرے درشن کے پیاسے
"لیکن تیری ایک نظر کی تاب نہیں لاسکتے یہ"
تیرا لباسِ حسن فضائے دہر کی بے حد وسعت ہے
کس کو مجالِ دید ہے تیری کون ہے وہ بیباک نظر
تیرے جلووں کو جو بڑھ کر رکھ لے اپنے دامن میں
تُو ہے فنا بالذات" فنا سے کس کو مفر ہے دنیا میں"
تیری ذات میں آکر آخر ہر شے کو مٹ جاتا ہے
تُو ہی وبائیں بن کر ہر سو، دامِ اجل پھیلاتی ہے
تُو ہی وِش سے بھر کے ساغر سب کو پلاتے جاتی ہے
زیست بھی تو ہے موت بھی تو ہے تو آغاز تو ہی انجام
جس نے دونوں رخ سے دیکھا تجھ کو وہی کچھ سمجھا ہے

۷

آ اے دوست سمجھ لے تو بھی آج حقیقت ماتا کی !
ماں کے دوسرے رُخ سے مت ڈر، بے بنیاد ہے ڈر سارا
اپنے آپ کو دھوکا مت دے، پاگل پن کو چھوڑ بھی دے

"دعنا"

دیکھ لے گھوم کے اس جانب بھی ماں کی بھیانک صورت کو
دل پیدا کر، دیکھ حقیقت، پھر تو سینہ تان کے چل
شہراہِ ہستی پر آ جا چھوڑ دے اپنی پگڈنڈی ! !
تو ہے نشاطِ روح کا جویا تو نے سب کچھ ترک کیا
ترک و خلوصِ عشق مبارک تجھ کو مبارک یہ پوجا
"زہد و ریاضت تجھ کو مبارک، تجھ کو مبارک یہ طاعت"
لیکن جب تک تیرے دل میں خوف ذرا بھی باقی ہے
سچی ریاضت، سچی محبت، سچی مسرت مشکل ہے
دیکھ کے خون آلودہ گردن ذبح شدہ بکرے کی اگر
تیرے دماغ اور تیرے دل پر خوف سا اک چھا جاتا ہے
گر برداشت نہیں کر سکتا تو ایسے نظّارے کو
اے نادان پجاری یہ تو تیری اک کمزوری ہے
ہمدردی کچھ اور ہی شے ہے ہمدردی جانبازی ہے
اوروں کا غم بانٹنے والے لوگ بہادر ہوتے ہیں
"ذوقِ حقیقت ہے تو سن لے رازِ حقیقت کہتا ہوں"
آ اے دوست تو کالی ماں کے سامنے سینہ تان کے آ
دل کا ہر اک روگ مٹا لے جھک کے ماں کے چرنوں کو
مرگ و ہستی کر لے شامل فکر و نظر کی وسعت میں

۸

جنس کے حلقے میں تو کب تک قید رہے گا سر تا پا

اصلِ مسرت کو جسمانی عیش میں کب تک ڈھونڈے گا
حرص و ہوا اور عیش و طرب کے جام چلیں گے یہ کب تک
"بزمِ رقص و موسیقی کا رنگ جمے گا یہ کب تک"
خواب ہے اک موہوم جہاں کا عیش، طلسمِ فانی ہے
سازِ تعلق کے ٹکڑے کر اٹھ یہ محفل کر برہم!
جامِ ہوس کو توڑ، شرابِ نفس گرا اور ہوش میں آ
اٹھ امواجِ بحر کی صورت، شور بسر طوفان بپا
موت تو جیون کی ساتھی ہے موت سے ڈرنا کیا معنی
موت کو اپنا کر بھی دیکھو، زیست کا یہ رُخ بھی دیکھو
"اہلِ شجاعت، اہلِ ہمت کی تو ہے پہچان یہی"
ٹھو لگا دو جان کی بازی کام لو اب تم ہمت سے
رازِ حقیقت، اصلِ مسرت، سوزِ محبت پانے کو
کب تک یونہی سوئے رہو گے جاگو خوابِ غفلت سے
اک دھوکا ہیں خواب کی خوشیاں اصل ہے سب کی رنج و الم
سُکھ اور چین ہے سب دنیا کا دکھ اور درد سے آلودہ
جینا مرنا، مرنا جینا، جیون کا چکر ہے یہی!
جنم مرن کے اس چکر کو توڑ کے اس سے باہر آ
جیت اجل کی، جیت ہے اپنی، اصلِ بقا ہے اپنی فنا
آ مرگھٹ میں دیکھ چتا پر کیسے لاشیں جلتی ہیں
تُو بھی اسی صورت اس دل میں ایک چتا کر لے روشن
شہرت و عزت کی ہر خواہش زعمِ خودی کی ہر صورت

اپنے خوابوں اور اپنی موہوم امیدوں کی لاشیں
کر دے حوالے جلتی چتا کے تیز لپکتے شعلوں کے
دل کے اس مرگھٹ کی رونق دیکھ کے دیوی ناچے گی
ناچنے دے شاما کو دل میں جیون کا حاصل ہے یہی
زندگیٔ جاوید یہی ہے ستیہ چتیہ، آنند یہی

مہادیو شو شنکر ناچے

جس نے جگ کو ہستی دی ہے — خود ہی جگ کا ناشک بھی ہے
کامل یوگی ۔ مطلق ہستی — جو ہے سراپا شکتی ہی شکتی
آج وہ شنکر رقص کناں ہے

اُس کی جٹائیں آگ کی لپٹیں — پھیل رہی ہیں سارے گگن میں
شعلہ فگن ترسول ہے اُس کا — بھسم کہیں کر دے نہ یہ دنیا
رقصِ فنا میں مست ہے شنکر

ساتوں جہاں مل کر گاتے ہیں — شو کو تال دیئے جاتے ہیں
دھرتی کانپ رہی ہے تھر تھر — ڈر ہے نہ ہو جائے خاکستر
رقصِ خودی میں مست ہے شنکر

شانتی[1]

بظاہر نہیں اس میں کچھ زور و طاقت
جو دیکھو تو سب زور و طاقت یہی ہے
دکھاتی ہے انوار یہ سایہ بن کر
"اندھیروں کے دامن میں یہ روشنی ہے"
..یہی شانتی ہے یہی شانتی ہے

"وہ طاقت بظاہر نہیں ہے جو طاقت
جسے ہم نے پایا تو طاقت میں پایا
اندھیرے کے پردے میں اک روشنی سی
نکھرتی ہوئی دھوپ میں ایک سایا"

---

[1] اس نظم کو دیکھتے دیکھتے جناب رعنا نے ایک بہت بلند پایہ نظم لکھ دی۔ ان کی نظم ساتھ ساتھ پیش ہے میں ان کے اشعار کو بطور تصحیح اپنا لینا مناسب نہیں سمجھتا۔

نہ جس سے ہوئی چشم تر یہ وہ غم ہے
جو لب تک نہ آئی کبھی وہ خوشی ہے
نہ رویا کوئی جس پہ وہ موت ہے یہ
نہ پیدا ہوئی جو یہ وہ زندگی ہے"
یہی شانتی ہے یہی شانتی ہے..

"یہ وہ اک خوشی جو ازل سے ہے گونگی!
یہ وہ غم جو محسوس ہوتا نہیں غم
یہ وہ زندگی جو ہے نا آفریدہ
یہ وہ موت جس پر نہ گریہ نہ ماتم!
یہی شانتی ہے یہی شانتی ہے..

وصالِ شب و روز ہوتا ہے اس سے
مگر تیرگی ہے نہ یہ روشنی ہے
خوشی اور غم اس میں ملتے ہیں آکر
مگر خود نہ یہ غم نہ خود یہ خوشی ہے"
یہی شانتی ہے یہی شانتی ہے

"نہ یہ رنج ہستی نہ یہ راحتِ دل
یہ دونوں کا اک امتزاجِ حسیں ہے
نہ یہ رات ہے اور نہ یہ دن کی صورت
یہ اک شام کی شکلِ جاں آفریں ہے
یہی شانتی ہے یہی شانتی ہے..

یہ ٹھہراؤ فن کا یہ نغمے کا وقفہ
سکوتِ تکلم کی شیرینی لیے ہے
ہوس کے دورا ہے میں دم بھر کی تسکیں
جو تکمیلِ خواہش سے پیدا ہوئی ہے"
یہی شانتی ہے یہی شانتی ہے

"یہ ٹھہراؤ فن کا یہ نغمے کا وقفہ
یہ گفتار میں اک خموشی کا عالم
یہ طوفانِ جذبات کی کشمکش میں
دھڑکتے ہوئے دل کی تسکینِ پیہم
یہی شانتی ہے یہی شانتی ہے

یہ وہ حسن جس کو نہ دیکھا کسی نے
یہ وہ عشق جو مستِ کیفِ خودی ہے
یہ وہ گیت جس کو نہ گایا کسی نے
"یہ وہ علم ہے جو ابھی تک خفی ہے"
یہی شانتی ہے یہی شانتی ہے

سکوں ہے یہ جس کے پس و پیش طوفاں
چپ و راست اس موت کے زندگی ہے
خلا ہے یہ ہستی ہوئی جس سے پیدا
یہ تخریب کے بعد کی نیستی ہے ٭
یہی شانتی ہے یہی شانتی ہے

ط، "اس بند کو رعنا صاحب نے بدلنے کی ضرورت نہیں سمجھی آخری مصرع ان کا ہے" ٭ اگلے صفحہ پر

یہ گھر ہے جہاں سب کو آنا ہے واپس
یہ اس زیست کی منزلِ آخری ہے
یہاں مسکراتے ہیں آنسو خوشی سے
یہاں ہر طرف پیار کی روشنی ہے +
یہی شانتی ہے یہی شانتی ہے

---

* یہ وہ موت جس کے پس و پیش ہستی
وہ تسکین تلاطم ہیں جس کا ٹھکانہ !
یہ ہے وہ خلا جس سے ابھرا ہے عالم
بالآخر سماتا ہے جس میں زمانہ
یہی شانتی ہے یہی شانتی ہے

+ اس بند کو بھی رعنا صاحب نے آخری مصرع میں تھوڑی سی تبدیلی کے ساتھ برقرار رہنے دیا -

برکاتِ پوشیدہ

ہوئی نصیب نہ جس کو کبھی خوشی کوئی
کوئی مُراد نہ جس کی کبھی ہوئی پوری
خیال سے بھی مسرت کے جو رہا محروم
وہ نامراد وہ بدبخت رہروِ ہستی
کمر جھکائے ہوئے زندگی کے بوجھ تلے
بھٹک رہا ہے اندھیرے مہیب رستوں میں
مصیبتوں کے ہیں سر پر گھنے سیہ بادل
دل و دماغ پہ خوف و ہراس کے سائے
کھڑی ہیں چار طرف ظُلمتوں کی دیواریں
کہیں امید کی ہلکی سی اک کرن بھی نہیں
"دھواں دھواں سی فضا ہے رکا رکا سا نفس"
کبھی جو دل میں تھا وہ امتیازِ رنج و نشاط
جو تھا دماغ میں وہ فرقِ خیر و شر کا خیال
اجل کا خوفِ مسلسل، وہ زندگی کی کشش!
وہ دُھندلے دُھندلے نشانات بھی ہوئے معدوم
"وہ نور پارے ہوئے غرق غم کے طوفاں میں"

جو زندگی کے اُفق پر تھی روشنی کی لکیر
مٹا دیا ہے اسے تیرہ شب کے ہاتھوں نے
بس اب تو چاروں طرف پاپ کا اندھیرا ہے
اور اس اندھیرے میں راہی غریب بے چارہ
بھٹکتا پھرتا ہے منزل سے بے خبر ہو کر
شعاعِ نُور اندھیروں میں وفعتاً اتری!
ہر ایک جادۂ ظلمت ہوا سراپا نور
فلک پہ جیسے گھٹاؤں میں برق کوند گئی
نہ جانے آئی کہاں سے شعاعِ نور و جلال
جہانِ غم کے اندھیروں میں مسکراتی ہوئی
سمجھ سکا نہ مسافر نزولِ نور کا راز
جمالِ ذات کے جلووں کی بات پا نہ سکا
مگر یہ ایک حقیقت تھی چشم دید و عیاں
اسے ہوا تھا خود احساس اِس حقیقت کا
سما گئی تھی حقیقت یہ اُس کی رگ رگ میں
وہ اُس کے جسم میں بجلی کی لہر بن کے چلی
اِسی نے بخشی اسے طاقت و توانائی
اِسی کے دم سے ہوا بارِ زندگی ہلکا!
اِسی سے سیدھی خمیدہ کمر ہوئی اُس کی
اِسی کے جلوے سے روشن دل و دماغ ہوئے
اِسی سے نعمتِ فکر و نظر ملی اس کو

تمام زندگی معنی سے بھر گئی اُس کی
ہر ایک شے میں نکھر آیا رنگِ حسن و جمال
اِسی سے زندگی میں تازگی ابھر آئی
نہ خواب میں بھی کبھی یہ خیال آیا تھا
کہ رنج و غم کی یہ دُنیا بنے گی اتنی حسین
یہی نہیں اسے ایسا بھی کچھ نظر آیا
کہ زندگی نہیں محدود اپنی دُنیا تک
جنم سے پہلے بھی کچھ ہے مرن کے بعد بھی کچھ
مگر نہ سمجھا کہ اصلِ شہود و غیب ہے کیا
سوالِ کثرت و وحدت کا حل ملا نہ اُسے
سمجھ نہ پایا جو اعجازِ حسنِ ذات کو وہ
شعور ہو نہ سکا جب خودی کی طاقت کا
تو اُس نے سرِ خودی کو خدا کا نام دیا
ادب سے پھر اُسے اک سجدۂ نیاز کیا
خودی شناس بزرگوں نے مسکرا کے کہا
"تمہیں وہم ہے بڑھ کر نہیں خدا کا خیال
بس ایک ذات ہے بندہ ہے اور نہ کوئی خدا"
یہ سُن کے اُس نے کہا "سچ ہے آپ کا کہنا
مگر مرے لئے یہ وہم اک حقیقت ہے
اِسی سے مجھ کو نئی زندگی نصیب ہوئی
اِسی سے مجھ کو ملی دولتِ سکونِ دل

یہی ہے وہم تو اچھا خدا بھی وہم سہی
مجھے وہ وہم مبارک جو زندگی بخشے

۹

شرابِ زعمِ خودی پی کے مست اور سرشار
نشے میں ڈوب کے جاہ و جلال و حشمت کے
"نفس ہیں بوئے امارت نظر میں رنگِ قضا"
غرورِ صحت و طاقت سے سر بلند کئے
جہانِ عیش و طرب کی کشادہ راہوں پر
رواں دواں ہے وہ اک اور رہروِ ہستی
وہ فیلِ مست کی مانند بڑھتا جاتا ہے
وہ چھائے جاتا ہے طوفان بن کے عالم پہ
اسے یقیں ہے کہ ہے کائنات میرے لئے
جمال و حسنِ جہاں سب بنا ہے میرے لئے
یہ آسمان شبستانِ عیش ہے میرا
مرے لئے ہیں ستاروں کے قمقمے روشن
زمین باغِ طرب بن رہی ہے میرے لئے!
مرے لئے ہی شگوفے یہاں چٹکتے ہیں
جہاں ہے یہ مری تفریحِ طبع کا سامان
مری غلامی کو پیدا ہوئے ہیں سب انساں
ملا دوں خاک میں ان سب کو جب بھی میں چاہوں

نفس پرست، طرب کوش، خود غرض انساں
عمل میں لایا کیا نقطۂ نظر اپنا
نہ ہوگا عیشِ جہاں کوئی جو نہ اس نے کیا
اک ایک عیش کو صد رنگ سے بدل کے کیا
چراغ عیش کے لاکھوں جلا لئے اس نے
نظر میں جن کی ضیا پاشیاں رہیں ہر دم
مگر اک ایسا بھی دن آیا اس کی آنکھیں جب
ہوس کی تیز شعاعوں کی تاب لا نہ سکیں
چراغ جلتے رہے پر اندھیرا چھانے لگا
وہ جسم ٹوٹ گیا جس پہ ناز تھا اُس کو
رہی نہ قوتِ اعصاب و طاقتِ احساس
نہ تندرستی و صحت نہ حسن و رعنائی
نہ تمکنت، نہ رعونت، نہ دبدبہ، نہ جلال
وہ جسم اس کا فقط ایک سرد لاشہ تھا
کہ جس کا بوجھ اٹھانا بھی سخت مشکل تھا
وہ چاہتا تھا اسے جلد موت آ جائے
مگر نہ جسمِ شکستہ کو موت آتی تھی
کبھی جو لُطف کا احساس تھا وہ کرب بنا
بدل گئی غم و غصہ میں تھی کبھی جو خوشی
کبھی جو روحِ سرور و نشاط تھا وہ جسم
"بنا ہے آج غم و رنج و درد کا پیکر"

"دیکھنا"

کبھی گلاب کے مانند جو مہکتا تھا
وبالِ جاں ہے اسی جسم کا تعفّن آج
علاج درد اسے موت ہی نظر آئی
خیالِ موت سے لیکن وہ کانپتا ہی رہا
ہزار بار ہوا خودکشی پہ آمادہ
مگر نہ اپنا گلا گھونٹنے کی تاب ہوئی
ہجومِ رنج والم میں وہ گھر گیا آخر
رہی نہ تاب و تواں کچھ تو پھر حریفوں نے
سب اختیار بھی ہاتھوں سے اُس کے چھین لیا
تمام لعل و گہر تاج و تخت چھین لئے
لُٹی جو دولت و ثروت تو عیش کے ساتھی
اک ایک کر کے اسے چھوڑ کر ہوئے رخصت
رہا نہ یار و مددگار کوئی غم کے سوا
جو غم نے دل میں کیا گھر تو درد جاگ اٹھا
پھر اپنے غم کی بدولت ہُوا وہ دردشناس
ستم زدوں کا بنا دل سے مونس و غمخوار
سمجھ گیا کہ وہ ہے جزوِ نسلِ انسانی
وہ دوستی و اخوت کے پا گیا معنی
جُھکا سر اس کا ہر اک آدمی کے قدموں پر
گلا بھر آیا غم آلودہ ہو گئیں آنکھیں

یہ حال دیکھ کے لوگوں نے برملا یہ کہا
"وفورِ غم نے اسے کر دیا ہے دیوانہ"
یہ سُن کے اس نے کہا غم تو ایک نعمت ہے
مجھے وہ غم بھی مبارک ہے جو خوشی بخشے

۲

رہِ حیات میں ایسا بھی ایک راہی ہے
جسے جنم سے ملی صحت و توانائی
رہا وہ عاری مگر قوتِ ارادی سے
نہ پا سکا وہ کبھی اپنے آپ پر قابو
تمام عمر وہ جذبات کا غلام رہا
وہ ایک تنکا تھا جذبات کے تلاطم میں
اٹھا کے جس کو جہاں چاہیں پھینک دیں لہریں
مگر وہ اپنے تذبذب پہ ناز کرتا تھا
وہ اپنے آپ کو محفوظ یوں سمجھتا تھا
ہوائے تیز سے طوفان کے تھپیڑوں سے
سمجھتا تھا کہ یہ سب جد و جہد ہے بے سود
"ہر اک سفینے کو اک روز غرق ہونا ہے"
وہ کہتا پھرتا تھا اوروں کو کیا ہوا حاصل
خود اپنی خصلت و فطرت سے جنگ کرنے سے
ہزار جنگ سے بہتر ہے بحرِ ہستی میں

"ہم اپنے آپ کو کر دیں سپردِ موجِ رواں"!
بس ایک بار تلاطم کے ساتھ بہہ جائیں
یہ ہو سکے نہ اگر تو سکوں سے ساحل پر
پڑے رہیں یونہی جذباتِ دل کی دلدل میں
"دکھا کے راہِ فرار اس عمل کی دنیا سے"
خود اپنے آپ کو دیتا رہا ہمیشہ فریب
یہ سُست رو یہ تن آساں یہ خود غرض انساں
رہا کیا متعفّن فضاؤں میں اکثر
ہوس کا بندۂ بے دام، وہ نفس کا غلام
"دماغ اس کا بُرائی کا کارخانہ تھا"
ہر اک بدی کا وہ سو جاں سے ساتھ دیتا تھا
دل و دماغ تھے کچھ شیطنت پہ یوں مائل
کہ جیسے مکھیاں کوڑے پہ بھنبھناتی ہوں
نتیجہ اس کا یہ نکلا کہ سر کے بل آخر
رہِ ہوس میں گرا لڑکھڑا کے وہ اک دن
مگر اِسی میں بھلائی تھی اُس کی پوشیدہ
لگی جو چوٹ جگر پر تو کھُل گئیں آنکھیں
نظر میں پھیل گئی وسعتِ جہانِ حیات
ہوئے جو ہوش ٹھکانے تو وہ سمجھ پایا
نہیں حیات فقط عشرت و سکوں کے لئے

" رعنا "

بشر کو اپنا مقدر تو خود بنانا ہے
اسے تو لانا ہے بس میں تمام فطرت کو
"بشر ہوا ہے تگ و تاز کے لئے پیدا"
اسی لئے اسے سب طاقتیں ہوئی ہیں عطا
اسے منازلِ آئین سے گزرنا ہے
پہاڑ دیکھو تو آئین کے ہیں سب پابند
ذرا بھی اپنی جگہ سے کبھی نہیں ہلتے!
کھڑی ہیں نیو پہ آرام سے یہ دیواریں
مجال کیا کہ ذرا بھی اِدھر اُدھر سرکیں
پہاڑ پاک سہی بے گنہ سہی اینٹیں
مگر یہ موت کی پاکیزگی ہے اس سے کبھی
نہ کچھ ہوا ہے نہ ہوگا کسی کو کچھ حاصل
نہ اینٹ سے کبھی ہوتا ہے اور نہ پتھر سے
گناہ ہوتا ہے سرزد تو آدمی ہی سے
جو چلتا ہے وہی گرتا بھی ہے مگر اک دن
بلندیوں پہ اسی کی رسائی ہوتی ہے
ملا جو لغزشِ پا سے اسے پیامِ حیات
اٹھا وہ شخصِ تن آساں و مردِ عیش طلب
جو صبح و شام فقط عیش ہی کا طالب تھا
وہ کام لینے لگا اپنے دست و بازو سے

"رعنا"

دل و دماغ میں پیدا ہوئیں نئی لہریں
نئے ارادے نیا جوش اور نئی طاقت
نظر کو نور ملا، فکر نے جِلا پائی
حیات رنگ نیا لے کے آشکار ہوئی
"نگاہِ تنگ نے جب وسعتِ نظر پائی"
"وسیع تر یہ حدیں ہو گئیں زمانے کی"
نگاہِ شوق ہوئی تیز تر تو نورِ ازل
ہر ایک سمت زمانے میں پھیلتا ہی گیا
بالآخر اس کو نظر آئی اک جھلک اس کی
کہ جس کے جلوے میں تسکینِ دیدہ و دل ہے
نشاطِ دائمی ملتی ہے جس کے قدموں میں
شعورِ ہستی کی ہوتی ہے ابتدا جس سے
کمالِ زیست کی ہوتی ہے انتہا جس پر
جنم جنم کی تگ و تاز کا جو ہے حاصل
جو پہونچا منزلِ مقصود کی بلندی پر
تو اس نے وادیٔ ہستی پہ اک نظر ڈالی
نظر کے سامنے آئے وہ زندگی کے دن
جو سنگ و خشت کی صورت جہاں میں گزرے تھے
سماں پھر آیا نظر جب گرا تھا سر کے بل
یہ کُل جہان ہنسا تھا جب اس کی لغزش پر

جب اُس سے اپنے بھی دامن بچا کے چلتے تھے!
پھر اُس نے دیکھا کہ کیوں کر سنبھل کے وہ اٹھا
اور اٹھ کے راہِ عمل کی وہ اختیار اس نے
جو آج منزلِ ہستی تک اُس کو لے آئی
یہ دیکھ کر ہوا لبریز دل مسرت سے
اور اُس کی آنکھوں میں آنسو خوشی کے بھر آئے
سر اُس کا جھک گیا شکرانۂ محبت میں
زباں پہ اُس کے یہ بے ساختہ دعا آئی
بھلا ہو لغزشِ عصیاں کا جس سے میرے قدم
نکل کے زیست کی تاریک و تنگ گلیوں سے
رواں ہیں نورِ یداماں کشادہ رستے پر
ہے وہ گناہ مبارک جو روشنی بخشے

سن اے ندیم

اندھیرے ہی کو جہاں روشنی سمجھتے ہیں
ملال ہی کو جہاں سب خوشی سمجھتے ہیں
جہاں مرض ہی علامت ہے حسنِ صحت کی
جنم مرن کو جہاں زندگی سمجھتے ہیں
وہاں امیدِ نشاطِ تمام کیوں کرہو؟

جہاں ہے کشمکشِ زندگی سدا جاری
جہاں خلوص و مروت سے دل ہیں سب عاری
نہ دوست دوست جہاں ہے نہ بھائی ہی بھائی
بس اپنے واسطے جیتے ہیں سارے نر ناری
وہاں امیدِ سکونِ تمام کیوں کرہو؟

جہاں جمالِ حقیقت کا دل میں شوق نہیں!
جہاں وصالِ حقیقت کا دل میں شوق نہیں
جہاں نگاہِ تجسس نہیں، وویک[1] نہیں
جہاں کمالِ حقیقت کا دل میں شوق نہیں
وہاں ظہورِ جمالِ تمام کیوں کرہو؟

۱؎ قوتِ ممیزہ (نیک و بد، اصل و نقل، باقی و فانی میں تمیز کرنے کی طاقت)

یہ کائنات یہ مایا کا ایک سحرِ حسین
"نظر میں رہ کے بھی جس کا کوئی وجود نہیں"
ہے ایک دامِ تمنا یہ کرم کا بندھن
نکل کے بھاگ نہیں سکتا جس سے کوئی کہیں

کہ مایا جال سے آزاد کوئی کیوں کر ہو ؟

یہی جہان ہے دوزخ بھی اور جنت بھی
یہیں ہے دل کی اذیت بھی دل کی [کی راحت بھی]
قدم ملا کے خوشی اور غم رواں ہیں یہاں
یہیں ہے وصل کی دولت بھی دردِ فرقت بھی

بھلا یہ باہمی اضداد ہوں جدا کیوں کر ؟

یہ لوگ اور تپسیہ یہ عیش اور عشرت
یہ پاٹھ پوجا یہ بھگتی یہ مال اور دولت
یہ ترک اور ریاضت، یہ زندگی کے مزے
یہ کفر و وہم پرستی یہ زہد یہ طاعت

بس سب کی اصل سے واقف ہوں جانتا ہوں میں

ہوئی نہ ان سے کسی کو کبھی نصیب خوشی!
مٹی نہ ان کی بدولت کسی کے دل کی کمی
یہ کائنات ہے بس ایک جامِ تنتالوس[1]
بجھی ہے تشنگی اس سے نہ بجھ سکے گی کبھی

ترس ترس کے جو گزرے وہ زندگی کیا ہے

---

[1] "تنتا" سے Tantalus

جو اہلِ دل ہے نہ دنیا میں چین پائے گا
نفس نفس میں قیامت کا دُکھ اٹھائے گا
بقدرِ وسعت و پاکیزگیٔ قلب و نظر
ہر ایک شخص کے حصے میں درد آئے گا

کہ اس جہان میں حسّاس دل کو چین کہاں

اگر بھری ہے ترے دل میں بے غرض الفت
نگاہِ شوق کی پائی ہے تو نے گر نعمت
تری سرشت میں داخل اگر ہے صدق و صفا
ملی ہے تیرے خیالات کو اگر رفعت

تو اس جہان کا ہو کر نہ رہ سکے گا تُو!

تری صفا سے عیاں ہے کمالِ شیشہ گری
ترے خلوص سے ظاہر جمالِ خوش نظری
ترا وجود ہے اک پیکرِ حسین ایسا
کہ جس سے پیدا ہے قدرت کے فن کی دیدہ وری

مگر اس آہنی دنیا کی تجھ کو تاب نہیں

یہاں تو پھولتے پھلتے ہیں اہلِ مکر و دغا
نہ دل میں درد ہے جن کے نہ من میں جن کے دیا
جو خود غرض ہیں جو باطل پرست ہیں یکسر
نہیں ہے نام کو آنکھوں میں جن کی شرم و حیا

ترے لئے نہیں شیریں یہی وزہر دلی

"دغا"

تلاشِ حق میں نہ جانے کہاں کہاں پہونچا
کوئی مقامِ مقدس نہیں جہاں نہ گیا
کٹے ہیں دن کئی شمشان میں کئی راتیں
بیں کوہ و دشت میں ہر سمت دُور تک گھوما
مگر نہ دل کی تسلی ہوئی نصیب مجھے

ہر ایک گیت کو سازِ حیات پر گایا
ہر ایک مذہب و ملت کو میں نے اپنایا
ہر ایک پھول سے چُن چُن کے اس کا میٹھا رس
حلاوتوں کا اکٹھا کیا ہے سرمایا
میں ڈھونڈتا رہا کچھ اس طرح حقیقت کو

نہ ہم نفس نہ کوئی ہم سفر، تنِ تنہا
خدا کی کھوج میں چاروں طرف بھٹکتا رہا
کسی نے مجھ سے کبھی کی نہ کوئی ہمدردی
کنارہ کش ہی رہی مجھ سے مطلبی دُنیا
خدا کا شکر ہے پھر بھی نہ ڈگمگائے قدم

نہ تن کی فکر نہ کھانے کا ہوش تھا مجھ کو
اسی پہ قانع تھا جو کچھ بھی مل گیا مجھ کو
جو کھائے بھیک کے ٹکڑے تو چیتھڑے پہنے
کوئی خیال نہ آرام کا رہا مجھ کو
رہِ تلاش پہ ہر دم میں گامزن ہی رہا :

"اگرچہ راہِ تجسس تھی ایک راہِ بلا"
قدم قدم پہ قدم روکتی تھی برقِ قضا
"سفر کے رنج اٹھا کر یہ جسم تھا بے جاں"
مگر خدا کے کرم سے سفر تمام ہوا
بھٹک بھٹک کے بالآخر مقامِ عشق ملا

مجھے تلاش تھی جس کی وہ مل گئی منزل
نشاطِ روح کے نغموں سے بھر گیا یہ دل
ہوئی ہے جس سے ہر اک آرزو مری پوری
مجھے وہ دولتِ کونین ہو گئی حاصل
یہی خزانہ لٹانے کو آج لایا ہوں

سن اے ندیم تجھے راز دار کرتا ہوں
میں تجھ پہ اپنی تپسیہ نثار کرتا ہوں
بلند و اعلیٰ و مطلق حقیقتِ واحد
جو میں نے پائی ہے وہ آشکار کرتا ہوں
تمام رازِ حقیقت یہی محبت ہے

سن اے ندیم ہے یہ وہ نجات کی کشتی
"بھنور کا خوف نہ پروا ہے تلاطم کی"
تجھے یہ لائے گی اس پار بحرِ ہستی کے
جہاں ملے گی یقیناً حیات کو مکتی
سن اے ندیم یہ میرا پیامِ آزادی

"رعنا"

طریق و طور یہ سب مختلف عبادت کے
یہ سب اصول و ضوابط کڑی ریاضت کے
یہ پرانا یام یہ آسن یہ یوگ کی مشقیں
دراصل بکھرے ہوئے رنگ ہیں محبت کے
جو ایک نقطہ پہ آئیں تو نور پیدا ہو

یہ مال و دولت و شان و شکوہ و جاہ و جلال
ہے جن کو پا کے خوشی اور دکھو کے رنج و ملال
کوئی بھی ان کی حقیقت نہیں حقیقت ہیں
یہ سب فریبِ نظر ہیں یہ سب ہے مایا جال
اگر کہیں ہے حقیقی خوشی تو پیار میں ہے

یہ فلسفہ یہ مذاہب کے نظریوں کے ہجوم
عروج سائنس کا یہ اور انکشافِ علوم
تمام اپنی جگہ ہیں اہم مگر دراصل
یہ من کی فتنہ گری کے نقوش ہیں موہوم
اگر کہیں ہے حقیقت کوئی تو پیار کی ہے

یہ برمھ کی اصل ہے یہ جیو کی حقیقت ہے
اسی کے زور سے قائم نظامِ فطرت ہے
یہ مرغ و ماہی و حشرہ و وحش و آدم کی
تمام تاب و توانائی اور طاقت ہے[1]
نہ ہو جو پریم تو سنسار کی حقیقت کیا

[1] رعنا صاحب نے اس بند کے خیال کو یوں بلندی بخشی ہے (اگلے صفحہ پر ملاحظہ ہو)

یہی خدا ہے یہی جان ہے خدائی کی
اسی کے دم سے ہے قائم نظامِ ہستی بھی
اسی کے زور کا پرتو ہے زورِ انساں میں
اسی کی روح سے زندہ ہے روحِ انسانی
نہ ہو جو پریم تو سنسار کی حقیقت کیا

یہ پریم ہی تو ہے معبود سب خداؤں کا
یہی تو دیوتا ہے سارے دیوتاؤں کا
اسی کے دم سے رواں کاروانِ ہستی ہے
یہی تو آخری مقصد ہے سب دعاؤں کا
اسی کو ڈھونڈتی پھرتی ہے دل کی ہر دھڑکن

"اسی کے دم سے جواں جذبۂ شہادت ہے
اسی سے شیرنی ہر اک نحیف عورت ہے
جو جان کرتی ہے قربان اپنے بچوں پر
حسین موت یہ اک پریم ہی کی صورت ہے
ذرا نگاہِ حقیقت نگر تو پیدا کر

یہ چور ڈاکو جو کرتے ہیں رات دن چوری
جو قتل کرنے سے کرتے نہیں دریغ کبھی
محرک ان کا بھی ہے پیار بیوی بچوں کا
اسی کی بگڑی سی صورت ہے ڈاکہ چوری بھی
برا بھلا یہ ہر اک رنگ پریم کا ہے رنگ

"رعنا"

یہی ہے خندۂ گل میں سرشکِ شبنم میں
یہی ہے فرطِ مسرت میں شدتِ غم میں
شعور و عقل سے بالا بیان سے باہر
یہی ہے چشمۂ آبِ حیات میں سم میں
حیات و موت کے پردوں میں ہے یہ پوشیدہ

یہ ماں کی پاک محبت کا بیکراں ساگر
یہ کالی دیوی کا ہے پاپیوں کے دل میں ڈر
یہ نیکی اور بُرائی یہ دھرم اور ادھرم
وہی ہے پریم مگر سب پہ مختلف ہے اثر
بھلے بُرے جو ہیں سب پریم کے پجاری ہیں

خوشی مکان و زماں کی حدود میں نابود
یہاں نشاطِ مکمل کی جستجو بے سود
"ثبات کس کو ہے اس بے ثبات دنیا میں"
نہیں ہے موت کے پہلو میں بھی سکوں کا وجود
یہاں تلاشِ مسرت تو خود فریبی ہے

گلے لگا کے غمِ روزگار کو رونا !!
بُلا کے گھر میں مصائب کے خود چرن دھونا
دماغ و دل کی خرابی کی ایک صورت ہے
علاجِ درد نہیں ہے غریقِ غم ہونا
تو غوطہ زن نہ ہو جذبات کے تلاطم میں

"رعنا"

فنا کے بعد بقا ہے یہ تیرا دعویٰ ہے
خوشی سے موت کا تو انتظار کرتا ہے
یہ تیری خام خیالی ہے وہم ہے یکسر
"حیات و موت کا ڈیرا جہاں میں یکجا ہے"

حیات و موت بقیدِ شعور ہیں دونو

تو رتھ میں فکرِ منور کی برق پا گھوڑے
جوان و تازہ تخیل کے جوڑ کر چل ہے
اڑا کے لے جا جہاں تک بھی تجھ سے ممکن ہے
نکل نہ پائے گا سنسار کے تو چکر سے

محیطِ رنج و مسرت ہے تیری حدِ نظر

تو آسماں سے ستارے بھی توڑ لائے تو
تو اپنی خاک کو رشکِ فلک بنائے تو
تو اپنے تیشۂ تدبیر سے جہالت کے
پہاڑ چیر کے جوئے ہنر بہائے تو

ملے گی پھر بھی نہ شیرینِ آرزو تجھ کو

سن آج تجھ کو بتاتا ہوں سرِ آزادی
نہ آئے گا تو جسے پا کے زیرِ دام کبھی
یہ پھڑپھڑانا بجا ہے بریدہ پر لیکن
نجات دے گی نہ شوریدہ سر، بریدہ پری

سن آج طائرِ بے بال و پر نجات کا راز

"رعنا"

فضول سب ہنگ و دو ساری کوششیں بے سود
یہ جانفشانیاں بے سود محنتیں بے سود
شکست ہوتی ہے ان کو نصیب آخر کار
دل و دماغ کی جتنی ہیں کاوشیں بے سود
جو اعتبار کی ہے چیز تو محبت ہے

نہ کر بھروسہ کوئی عقل پر ذہانت پر
نماز و تقویٰ و قربانی و عبادت پر
کمالِ حسن و جوانی و زورِ بازو پر
بھروسہ کرنا ہے تجھ کو تو کر محبت پر
نہ بھول پشت و پناہِ جہاں محبت ہے

وہ عشق جو نہیں ہوتا کبھی مآل اندیش
وہ عشق جس کو ذرا بھی نہیں ہے فکرِ خویش
جو خود سپردگی ہے اور جرأتِ ایثار
جو خاک ہوتے ہوئے برق خو ہے شعلہ کیش
تو ایسا عشقِ وفادار دل میں پیدا کر

جسے نہ خوفِ فنا ہے نہ کوئی فکرِ بقا
نہ لن ترانی کی آواز کی جسے پروا
"کہ اس نے جلوۂ محبوب کی تمنا میں"
لیا ہے شعلۂ تنویر کو گلے سے لگا
کمال عشق ہے معراجِ سوزِ پروانہ

"دعنا"

جو تجھ کو سچی محبت ہے اپنے پیارے سے
لگاؤ ہے جو تجھے شعلہ رخ دلارے سے
تو دے انا و خودی کی تو پاک آہوتی
ملا دے آج شرارے کو تو شرارے سے
جمالِ یار کے شعلوں کو پھر لپکنے دے

کبھی نصیب ہوئی ہے بھکاریوں کو خوشی؟
ہمیشہ ہاتھ ہی پھیلائے زندگی گزری
لٹائے جا جو ترے پاس ہے لٹائے جا
کشادہ دستِ سخی کو نہیں ہے کوئی کمی
جو دل میں پیار کی دولت ہے تو لٹائے جا

تری سرشت میں لاانتہا محبت ہے
جہانِ زیست کی وسعت تری وراثت ہے
جو دست و دل کو کشادہ نہ رہنے دیگا تو
تو کچھ نہ پاس رہے گا یہ ایسی دولت ہے
لٹائے جا یہ لٹانے سے اور بڑھتی ہے

رواں دواں ہیں ہر اک سمت کو جواں لہریں
کشادہ دل کے ترے بے کنار ساگر میں
اُٹھیں گے دل سے ترے جتنے پریم کے بادل
فلک سے اتنی ہی اُتریں گی میٹھی برساتیں
نہ ہو جو پریم تو ساگر بھی سوکھ جاتے ہیں

جہاں میں مور و ملخ سے خدائے برتر تک
فنا پذیر عناصر سے روحِ انور تک
بس ایک پریم کے رشتے میں منسلک ہیں تمام
حقیر خاک کے ذرّوں سے ماہ و اختر تک
تو پریم چرنوں میں تن من کو اپنے کر ارپن

اگر خدا ہے کوئی تو یہی خدا ہو ترا
تو جسم و جان بصد شوق کر اسی پہ فدا
سجودِ شوق تڑپتے ہیں گر جبیں میں تری
تُو آستانِ محبت پہ اپنے سر کو جھکا
تُو پریم پوجا میں پا وحدتِ حقیقت کو

نظر سے پریم کی کثرت میں دیکھ وحدت کو
خدا کے بندوں میں تُو دیکھ اس کی صورت کو
وہی ہے جلوہ نما ہر بشر کے قالب میں
وہ تیرے سامنے موجود ہے عبادت کو
جسے تُو دیر و حرم میں تلاش کرتا ہے

خدا کے بندوں کی خدمت نمازِ وحدت ہے
کسی کے غم میں تڑپنا ہی بس ریاضت ہے
خدا کی خلق سے کترا کے جستجو اس کی
جہاں میں سب سے بڑا کفر ہے جہالت ہے
تو آج خدمتِ خلقِ خدا پہ لا ایماں

"جو گفتنی تھی وہ کہہ دی ہے بات اے ہمدم"
میں دے رہا ہوں تجھے ایک دعوتِ پیہم
نجات خدمتِ خلقِ خدا میں ہے تیری
تو فکرِ عقبیٰ نہ کر۔ چھوڑ دے جہاں کا غم
بس آج خدمتِ خلقِ خدا پہ لا ایمان

جلوۂ حق

جلوۂ طور مرے دل میں نمودار ہوا!
نور میں ڈوب گیا سارا جہاں سر تا پا
میں جدھر دیکھتا ہوں حق و صداقت ہے اُدھر
ہو چپ و راست پس و پیش کہ زیر و بالا

"رعنا"

"گیت میں تیرا گاتا ہوں"

مدھر منوہر، پیارا پیارا گیت میں تیرا گاتا ہوں
لوگ کہیں جو کچھ وہ چاہیں گُن گائیں بدنام کریں
میری نظر میں نیک و بد دونوں بس ایک برابر ہیں
سب کچھ تیری دین سمجھ کر گیت میں تیرا گاتا ہوں
سُندر سُندر پیارا پیارا گیت میں تیرا گاتا ہوں

میں سیوک ہوں تیرا ہر دم تو جس روپ میں بھی آئے
ایشور[۱] بھی تو دیوی بھی تو پُرش بھی تُو شکتی بھی تُو
رام بھی تو ہے سیتا بھی تو کرشن بھی تو رادھا بھی تو
میں چرنوں میں تیرے پڑا ہوں چرنوں کا یش گاتا ہوں
مدھر منوہر پیارا پیارا گیت میں تیرا گاتا ہوں

پیٹھ پہ میری ہاتھ ہے تیرا مجھ کو ہر دم ساتھ ہے تیرا
پیچھے مڑ کر دیکھتا ہوں تو ہے تیرا سُندر مکھڑا
آگے دیکھتا ہوں تو تیری پیاری پیاری صورت ہے
پیچھے تُو ہے آگے تُو ہے۔ دائیں تُو ہے بائیں تُو ہے
تیری عنایت شفقت تیری، تیری رحمت مجھ پہ ہے
"میرے دل کی دنیا سے سب خوف کے سائے دور ہٹے"

---

۱ ایشور "دعا"

موت میرے قدموں میں پڑی ہے زیست مرے نغمے میں ہے
اور خوشی سے شکراتے ہیں گیت میں تیرا گاتا ہوں

مدھر منوہر پیارا پیارا گیت میں تیرا گاتا ہوں

"کوئی حد ہے تیرے کرم کی مجھ پر بھی ہے تیرا کرم
میں ہوں ازل سے تیرا خادم تو نے مجھ کو اپنایا"
اپنی لیلا تو ہی جانے تیری لیلا اپرم پار
میں کیا جانوں تیری حقیقت مجھ کو اپنا ہوش نہیں
اتنا بس معلوم ہے مجھ کو میں چرنوں کا داس ترا
بھگتی تکنی جاپ تپسیہ دھیان بھلا میں کیا جانوں
پوجا پاٹھ کو چھوڑا میں نے پریم کارن بھی تیاگ دیا
مرضی مجھ کو تیری بھائی حکم ترا سر آنکھوں پر
اب تو میرے من میں بس جا خواہش ہے بس ایک یہی
اور ترے نزدیک آجاؤں تیرا ہی کہلاؤں میں
بیچ میں تیرے میرے حائل اور نہ کوئی خواہش ہو
تو میرا ہو میں تیرا ہوں ہاتھ میں دونوں ہاتھ دیئے
یک دل یک جاں ہو کر کھیلیں گیت خوشی کے گائیں ہم

مدھر منوہر پیارا پیارا گیت میں تیرا گاتا ہوں

اپنے من میں ڈوب گیا جب اپنے آپ کو کیسا ڈھونڈوں
اب تو مٹا ہے "میں" کچھ ایسے اب تو نظر میں تو ہی ہے
دیکھ رہا ہوں اب تو ہر سو ہر اک شے میں نور ترا!

"دعا"

تو ہی بسا ہے من میں میرے نور ہے تو ہی نینوں کا
ہر انسان پجاری تیرا ہر دل تیرا مندر ہے
جس میں جلوہ گر ہے تیری پیاری پیاری سی مورت
دیکھ کے جس کو خوش ہوتا ہوں گیت میں تیرا گاتا ہوں

مدھر منوہر پیارا پیارا گیت میں تیرا گاتا ہوں

میں تو اک بالک کی صورت کھیل رہا ہوں سنگ ترے
غصہ بھی آتا ہے تجھ پر روٹھ بھی تجھ سے جاتا ہوں
بھاگ کے تجھ سے دور چلا جاتا ہوں سنگوں سایوں میں
لیکن شب کی تاریکی میں مجھ پہ نظر تو رکھتا ہے
چھپ کر مجھ سے چپکے چپکے ساتھ تو میرا دیتا ہے
دیکھ کے میری ابتر حالت آنکھ تری بھر آتی ہے
میں جب گھبرا اٹھتا ہوں تو سامنے تو آجاتا ہے
نینوں سے پھر نین ملا کر پیار سے باتیں کرتا ہے
بس پھر کیا میں فوراً تیرے قدموں میں گر جاتا ہوں
اور جھکا کر سر کو تیرے چرنوں پر رکھ دیتا ہوں
یوں ہی شکرانے کا سجدہ مجھ سے ادا ہو جاتا ہے
اور خوشی سے مست منوہر گیت میں تیرا گاتا ہوں

مدھر منوہر پیارا پیارا گیت میں تیرا گاتا ہوں

میں کیا مانگوں تجھ سے معافی میں تو فقط اک بالک ہوں
کوئی پتا بچوں سے اپنے ہوتا ہے ناراض کبھی ؟
مجھ کو حاصل پیار ہے تیرا مجھ پر تیری رحمت ہے

میری ہر طفلانہ حرکت تجھ کو سہنی پڑتی ہے
پھول ہنسی کے برساتا ہے میری ہر لغزش پر تو
جانتا ہے تو میری حماقت آخر کب تک ابھرے گی
تجھ سا سنگی اے جیون داتا دنیا بھر میں کوئی نہیں
تو ہے میری روح کا ساتھی تجھ کو میں نے دیکھا ہے
"میں تو ہوں تو میں" ہے بھگون میں نے تجھ کو پایا ہے
میری زباں پر میرے بیاں میں نطق میں میرے بس تو ہے
میرے گلے میں گیان کی دیوی بنتی ہے آواز تیری

مدھر منوہر پیارا پیارا گیت میں تیرا گاتا ہوں

گیان مرا یہ دھیان مرا یہ سب کچھ تیرے دم سے ہے
تیری شکتی کی لہروں پر ساری دنیا بہتی ہے
تیری ہی مرضی کے مطابق جگ میں سب کچھ ہوتا ہے
تیری گرج سے اٹھتے ہیں طوفاں یہاں کے بحروں میں
اونچی اونچی لہریں اٹھ کر آپس میں ٹکراتی ہیں
نرم و نازک لہجے میں جب بات کبھی تو کرتا ہے
ہلکی ہلکی تازہ تازہ کیف بھری خوشبو لے کر
"بادِ صبا پھر صحن چمن میں ناز و ادا سے چلتی ہے"
اس کی ہلکی چال میں مجھ کو صاف سنائی دیتی ہے
دھیمی سی آواز چٹک جو بن جاتی ہے کلیوں کی
تیری ہی آواز ہے یہ آواز یقیناً تیری ہے

"رعنا"

میں نے سُنے ہیں میٹھے نغمے اس کے اپنے کانوں سے
یہ سب کچھ برحق ہے لیکن فطرت کی یہ شیرینی نے
چھُپائی نہ حقیقت تیری حسن کا گیت میں گاتا ہوں

مدھر منوہر پیارا پیارا گیت میں تیرا گاتا ہوں

چاند ستارے سورج جگ کے تیرے نُور سے روشن ہیں
لیکن ان میں نُور نہیں وہ جس کو میں نے دیکھا ہے
نُور جو میری آنکھوں میں ہے اس میں لپٹے ہیں سب جلوے
لاکھوں چاند بسے ہیں اس میں لاکھوں ہیں خورشید یہاں
جانے کتنے کاہکشاں ہیں جانے کتنے تارے ہیں
چھوٹ رہی ہیں جانے کتنی پھلجھڑیاں اس تجلی کی
نُور و ضیا کی اس دنیا کی وسعت کا یہ عالم ہے
کوئی نہیں ہے اس کا کنارا۔ اس کی سرحد کوئی نہیں
ساکن عقل و ہوش ہے لیکن نُور نظر میں رقصاں ہے
نُور نظر کا دل میں میرے راگ خوشی کا بنتا ہے

سُندر سُندر مدھر منوہر گیت میں تیرا گاتا ہوں

یہ غصہ یہ موہ، یہ خواہش، یہ لالچ یہ رشک و حسد
یہ کردار ہیں جن سے جاری کھیل ہے سارا مایا کا
"مایا ہے زنجیرِ انا کا ایک سنہرا سا حلقہ"
یہ احساسِ انا یہ مرکز زیست کے سارے چکر کا
دم سے اسی کے علم و جہالت دم سے اسکے عیش و غم

"دعنا"

"زیست یہی ہے موت یہی ہے پستی یہ ہے اوج یہی"
ظاہر باطن جو کچھ بھی ہے بس یہ "انا" ہے مایا ہے
ظاہر و پنہاں دونوں عالم مایا کے دو بازو ہیں
ساگر کی تہہ سے بھی نیچے شمس و قمر سے بھی اونچے
یہ وسعت کونین کی ساری ایک کرشمہ مایا کا
اپنے دماغ و دل بھی پیدا "میں" ہی کے اظہار سے ہیں
من، بدھی، چت اور "انا" سب مایا ہی میں شامل ہیں
رینگتے کیڑے، اڑتے پرندے تیرتی مچھلی، چوپائے
دیو اور حیواں بھوت اور انساں سب مایا کی صورتیں ہیں
زیست کی ہر وسعت ہے غلطاں مایا کی پنہائی میں
بے حس ایٹم سے لے کر حساس خودی کے جلووں تک
شکلیں ساری ہستی کی اس اک پردے پر قائم ہیں
جس کی کثافت ہو کے مجسم دید کا ساماں بنتی ہے
جس سے گزر کر میں آخر میں تیری حقیقت پاتا ہوں

مدھر منوہر پیارا پیارا گیت میں تیرا گاتا ہوں

میرو پربت کے بھاری اور چوڑے چکلے سینے پہ
نور کی پریاں ناچ سے تھک کر نیند کے عالم میں گم ہیں
تان کے اجلی برف کی چادر حسن کے شعلے خواب میں ہیں
حسن ازل کی پاک تجلی حد نظر تک پھیلی ہے
میرو پربت کی ہر چوٹی چھیڑ کے پردے بادل کے
سورج کی کرنوں سے پہروں راز کی باتیں کرتی ہے

" دھیتا "

دل میں مسرت کی لہریں ہیں لب پہ تبسم کی کرنیں
پاک جبیں پر لہراتے ہیں جلوے حسنِ فطرت کے
نور کے اس طوفان کے ٹکڑے برق کے شعلے بنتے ہیں
"چشمِ تماشا حیراں حیراں حسنِ مجسم تاباں تاباں"
سورج یہ سب کچھ حیرت سے دُور سے تکتا رہتا ہے
گُم سُم گُم سُم دھیان لگائے اپنی بیحد طاقت پر
سوچ کے کچھ پھر اپنی شعاعوں کے نورانی لشکر کو
میرو وادی پر حملے کا حکم اچانک دیتا ہے
آگ کے شعلوں کا اک طوفاں میرو پر چھا جاتا ہے
"اور تبسم ریز بہاریں سب جل کر رہ جاتی ہیں"
ہر شعلے کی لال زباں سے بجلی ٹوٹ کے گرتی ہے
ہر چوٹی پر ایک جوالا لہرا لہرا اُٹھتی ہے
میرو سر تا پا اک شعلہ بن جاتا ہے جل جل کر
دیکھو ایک دھماکے ہی سے کوہ گرا ہے سر کے بل
ہڈی پسلی چور ہوئی ہے آگ میں پگھلی جاتی ہے
خواب تھی پربت کی یہ جسامت خواب کا عالم بیت گیا
اب تو بس شعلوں کا دریا چُپکے چُپکے بہتا ہے
اور فنا کے ان شعلوں کا گیت میں سُندر گاتا ہوں

مدھر منوہر پیارا پیارا گیت میں تیرا گاتا ہوں
تیری ہی برکت سے میرے من کی چنچلتا ساری

۔ رعنا،

ساکن، یکجا، یک سُو ہو کر اک نقطے پر آتی ہے
اور ترے قدموں پہ نچھاور خود کو ایسے کرتی ہے
اٹھتا ہے اک نُور کہ جس کے آگے لاکھوں سورج بھی
دُور افتادہ اور تجھ سے دیپ دکھائی دیتے ہیں
یہ جلوہ ہے "چِت" کا جلوہ جس کے نُور کی شدت سے
سورج چاند ستارے سارے دھرتی اور پاتال بھی
اپنی اپنی شکل و صورت کھو دیتے ہیں ڈھل ڈھل کر
یہ سنسار، یہ سارا عالم ایسے دکھائی دیتا ہے
کھر کے نشاں ہیں جیسے کھڑا ہو تھوڑا سا گدلا پانی
تو سرچشمہ گنگا جل کا تجھ سے پیاس بجھاتا ہوں
مدھر منوہر پیارا پیارا گیت میں تیرا گاتا ہوں
تجھ کو پا کر عالمِ ظاہر کی مٹ جاتی ہے ہستی
"شکل و صورت سے تو آگے، نام و نمائش سے بالا"
"تیرا دامن دستِ تمنا کی زد سے ہے کوسوں دور"
دل کے سب ارمان مٹے ہیں جب سے تجھکو پایا ہے
میرے دل میں برپا تھے جو فخر و رعونت کے طوفاں
شانت ہوئے ہیں اِک سجدے سے دل میں سکون کامل ہے
ٹوٹ گئے ہیں بندھن سارے اُتری ہیں زنجیریں سب
اب نہ لگاوٹ ہے دنیا سے اب نہ لگن کچھ باقی ہے
مایا کے پردے اٹھے ہیں اک اک کر کے آنکھوں سے

"رعنا"

اب تو تیری ذات ہے باقی نام نہیں کچھ روپ نہیں
اب تو خلا میں گونج رہی ہے تیری ہی آواز فقط
وہ آواز کہ جس کی لہریں غرقِ سکوتِ لب میں ہیں
وہ آواز عبارت جس سے زیست کا میٹھا راگ ہوا
باندھ کے جس کے سُر میں تیرا گیت منوہر گاتا ہوں
مدھر منوہر پیارا پیارا گیت میں تیرا گاتا ہوں

مجھ کو یقیں اپنی ہستی کا پورا ہے میں جانتا ہوں
زندگیٔ جاوید ہے مجھ سے، مجھ میں ازل ہے مجھ میں ابد
مجھ سے عالم ظاہر ہو کر مجھ ہی میں چھپ جاتا ہے
سب تخلیق ہے میرے دم سے، سب تخریب مجھی سے ہے
جب "پرلے" کے وقت جمال و نور کی یہ ساری دنیا
ہوتی ہے روپوش سراسر غیب کے کالے پردوں میں
علم کے موضوع اور یہ عالم سب کا نشاں مٹ جاتا ہے
جب جل جل کر بجھ جاتے ہیں چاند ستاروں کے دیپک
جب نہ رہے گی کوئی بھی شے قائم اپنی حالت پہ
جب نہ نشاں ہوگا نہ تصوّر اس عالم کی ہستی کا
جب نہ رہے گا عامل کوئی اور عمل اس دنیا میں
جتنی اضافی چیزیں ہیں سب کھو جائینگی وحدت میں
فرق کا جو احساس ہے دل میں مٹ کر سب رہ جائیگا
میں اسوقت بھی زندہ ہوں گا موت نہ آئے گی مجھ کو
لاکھ مٹے یہ دورِ ہستی میں تو رہوں گا زندہ ہی!

ہر آغازِ دور سے پہلے ہر انجامِ دور کے بعد
میری ہستی قائم و دائم ثابت و سالم رہتی ہے
ہستیٔ واحد پاک و منورؔ حاضر و ناظر مستِ خودی
جس کے مقابل اور نہ کوئی جس کا نہیں کوئی ثانی

ہے یہ کشفِ ذات، یہی معراج، یہی مر کر جینا
اور جہانروان یہی ہے اور یہی ہے مکتی بھی
یہ ہے رازِ پوشیدہ، وہ گیت میں جس کا گاتا ہوں
سُندر سُندر پیارا پیارا گیت میں تیرا گاتا ہوں

راز جو سربستہ تھا اب میں اس کو افشا کرتا ہوں
اصلِ خودی جو پنہاں تھی اب اس کو عریاں کرتا ہوں
ایک ہوں میں بس ایک، مری تقسیم کہاں ہو سکتی ہے
لیکن میں لیلا سے اپنی ہو جاتا ہوں آپ انیک
میری شکتی سب سے پہلے "ادم" کے سُر میں کھلتی ہے
ادم کا نعرہ گونجتا ہے پھر ساری فضائے ہستی میں
پھر اس پاک آواز کی لہریں نیل گگن پر چھاتی ہیں!
اور آکاش میں جاگ اٹھتے ہیں خوابیدہ اسباب تمام
حرکت سے اسباب کی پیدا ہوتا ہے اک دورِ نیا
پچھلے دور کے لاکھوں جوہر خوابِ اجل سے اٹھتے ہیں
جگ کی خواب آلودہ آنکھیں جیون جوتی پاتی ہیں
خاص ادا سے حسنِ عالم پھر انگڑائی لیتا ہے
ہستی جوشِ مستی سے پھر از خود رقصاں ہوتی ہے

رقصِ بقا میں جوشِ جنوں کا ہاتھ میں اپنے ہاتھ لئے
جھوم کے مستی کے عالم میں حسن کے مرکز کی جانب
"مثلِ نسیمِ صبحِ بہاراں محوِ خراماں ہوتی ہے!"
لاکھ جدا ہو مرکز سے یہ مرکز پر ہی رہتی ہے
رقصِ بادِ مستی سے اس بحرِ بقا میں لہروں کے
ہم مرکز جوشیلے طوفانوں کے چکر چلتے ہیں
گرتی پڑتی اٹھتی بڑھتی چھوٹی بڑی یہ سب لہریں
جوش میں آکر آپس ہی میں لڑتی ہیں ٹکراتی ہیں
صبر و سکوں کی قوتِ پنہاں جوشِ نمو سے لڑتی ہے
ان کے تصادم کی شدت سے برق کے شعلے اٹھتے ہیں
اور فضا کی پہنائی میں روشن ٹکڑے اڑتے ہیں
جن سے لاکھوں چاند ستارے سورج پیدا ہوتے ہیں
جس پر ہم سب رہتے ہیں وہ دھرتی بھی اک ذرہ ہے
اس لیے اننت حقیقت کا جو اوم سے پیدا ہوتی ہے
اور جو میرے دل کے اندر جذبِ عقیدت بنتی ہے
حسنِ یقین جو بالآخر احساسِ خودی بن جاتا ہے
ہو کر جس میں مست خوشی سے گیت میں تیرا گاتا ہوں

مدھر منوہر پیارا پیارا گیت میں تیرا گاتا ہوں

میں اوّل ہوں میں آخر ہوں میں آغاز ہوں میں انجام
مظہرِ عالم میری شکتی مجھ سے ہوئی تخلیق تمام

" دعنا "

میری بدولت مجھ میں بس کر سارا عالم زندہ ہے
میری طاقت سے اک دن یہ غیب میں پھر چھپ جائیگا
ایک شہود و غیب کا چکر یونہی چلتا رہتا ہے
"شکلِ مجازی میں آتا ہوں خود بینی کی خاطر میں"
گاہ ہویدا ہوتا ہوں میں طوفانوں کی صورت میں!
گاہ گرج میں بادل کی اور گاہ کڑک میں بجلی کی
گاہ نسیمِ صبح کی نرم و نازک نکہت باری میں
گاہ معطر بھیگی بھیگی چاند کی ٹھنڈی کرنوں میں
میرے کرم سے دھرتی اپنے تن کو لباسِ رنگیں سے
کرتی ہے آراستہ اور سج دھج کے شگفتہ پھولوں سے
شوق سے سورج دیو کی جانب لرزاں لرزاں تکتی ہے
خوشبوؤں کے موتی، یہ آنسو، ہار گلے کا بنتے ہیں
بس یہ نشاط انگیز تماشا ہیں وہ بھیانک منظر ہوں
میری حقیقت کے پردے پر نقش یہ سارے پیدا ہیں
اصل مری وحدت ہے لیکن کثرت میں اظہار مرا
حدِ مکاں میں رہ کر بھی میں حدِ مکاں سے باہر ہوں
بندِ زماں میں بندھ کر بھی میں بندِ زماں سے بالا ہوں
بندھن مکتی آزادی اور قید یہ سب ہیں کھیل مرے
عالمِ کل ہوں حاضر و ناظر میں ہوں متحرک میں ساکن
میں ہوں وجودِ مطلق و کامل میں ہوں شعورِ ہست و انا

"رعنا"

میں ہوں نشاطِ پاک و مکمل میں ہوں جنونِ عشقِ بقا!
ڈوب کے اس احساسِ خودی میں گیت میں تیرا گاتا ہوں
سُندر سُندر پیارا پیارا گیت میں تیرا گاتا ہوں

غلط نہ سمجھو

صدیاں گزریں
گنگا تٹ پر
اک پنڈت نے
اپنی کتھا میں
سب کو بتایا
وشنو کیسے
رام کی صورت
جگ میں آئے
لکشمی کیوں کر
سیتا بن کر
غم میں اپنا
حال گنوائے

———

کتھا سماپت
ہوئی تو سارے
اپنے اپنے
گھر کو سدھارے
گیان کی باتیں
سوچتے من میں

———

جاتے جاتے
لوگوں میں سے
ایک سجن نے
اونچی صدا میں
پرشن یہ پوچھا
گیانی پنڈت
یہ تو بتاؤ
کون تھے آخر
رام اور سیتا!

———

میں بھی جگ میں
گیان کی باتیں
پھروں سناتا
مجھ کو بھی تم
غور سے سُننا

———

میں نہیں کہتا
سب کچھ ست ہے
میں کہتا ہوں
ہر شے میں وہ
آپ بسا ہے

———

لیکن اس کا
یہ نہیں مطلب
جس کو دیکھو
وہ ہی خدا ہے
بات کو میری
سوچ سمجھ کر
دل میں ڈالو
بھگون ست ہے
اس کے علاوہ
اور نہیں کچھ
دیکھنے میں تو
ہے یہ دنیا
ٹھوس حقیقت
اصل میں لیکن
ہے اک سپنا
بس اک وہ ہی
ستا ہی ستا ہے
تیری میری
سب کی حقیقت
وہ ہی وہ ہے
اس میں تغیر
اس میں تفاوت
نا ممکن ہے

دعائے خیر بحقِ نوید تابہن

تجھے حاصل ہو جرأت سورما کی — تجھے حاصل ہو دولت مامتا کی
بہاریں تجھ کو بخشیں دل کی مسرت — گزاریں پھول نذرِ رنگ و نکہت
زمیں بخشے ترے ہاتھوں کو شفقت — فلک دے تیرے دل کو اپنی وسعت
سمندر کی ترو تازہ ہوائیں — دماغ و دل کو تیرے تازگی دیں
ہوں مت ڈل کی شکتی اور راگنی (ق — ہے جن میں روحِ آزادی و مکتی !
تری رگ رگ کو شعلہ زار کر دیں — دلِ خوابیدہ کو بیدار کر دیں
(نشاطِ زندگی مل جائے تجھ کو — سکوں اور شانتی مل جائے تجھ کو)
یہ ساری نعمتیں تجھ کو مبارک — خدا کی برکتیں تجھ کو مبارک
تجھے حاصل ہوں وہ انوارِ ہستی — نہ پائے جو کسی نے خواب میں بھی
تو بھارت کے لئے ثابت ہو برکت — ملے اس کو تری خدمت کی نعمت
(تجھے اس دیش کی آئندہ نسلیں — ہمیشہ سر جھکا کر اپنا پوجیں)
ملے عزمِ جواں کو تجھ سے قوت — ترے ہی دم سے سب پائیں ہدایت
تو محبوبِ جوانانِ وطن ہو — تو ہی ارمانِ خوبانِ وطن ہو

تو ان کی دوست بھی غمخوار بھی ہو
تو رہبر بھی ہو خدمت گار بھی ہو

نغمۂ تخلیق

(ماخوذ از رگ وید)

ہستی کا نیستی کا کسی کا نشاں نہ تھا
کوئی نہ تھی زمین کوئی آسماں نہ تھا
یہ کائنات غیب کے پردے میں تھی نہاں
نظارۂ جہانِ مکان و زماں نہ تھا

ادراک سے بعید حقیقت ہے غیب کی
پھیلی ہوئی تھی چار دل طرف ایک دھند سی
تھا کس کے دم سے غیب و نمو کا یہ امتزاج؟
دامن میں کس کے تھی متبسم یہ تیرگی؟

تھا موت کا نشاں نہ حیاتِ دوام کا
خورشید کا پتہ تھا نہ ماہِ تمام کا
دن سے جدا نہ رات، نہ سایوں سے روشنی
جاری ابھی نہ سلسلہ تھا صبح و شام کا

اک وہ ہی وہ تھا اس کے سوا اور کچھ نہ تھا
تھی اس کی شان جلوہ نما اور کچھ نہ تھا
آواز و خامشی تھی نہ حرکت نہ تھا سکوں
تھا ایک ارتعاشِ بقا اور کچھ نہ تھا

تھی تیرگی کی چاروں طرف تہ پہ تہ جمی
ظلمت تھی ایک بحر کی صورت مچل رہی
اس بے کنار تیرہ خلا میں شعاعِ ہست
مستانہ خوابِ ناز کے پردوں میں تھی چھپی

یہ تھا سماں جب اس نے کئے "تپ" کے زور سے
پیدا ہزار مہرِ درخشاں جلال کے
انوارِ پاک سے ہوئی صبحِ ازل عیاں
"پایا یہ رنگ روپ رخِ کائنات نے"

گیتی کے دل میں جاگ اٹھی خواہش نمو
تشکیلِ گل کو پیدا ہوا لفسِ رنگ و بو
اس آرزوئے دید نے "من" کو جنم دیا
"پھیلیں نگاہِ شوق کی کرنیں ہر ایک سو"

تخلیقِ کائنات کی یوں ابتدا ہوئی
تشکیلِ حسن ذات کی یوں ابتدا ہوئی
"حسنِ تمام اِدھر تو اُدھر چشمِ شوقِ پاک"
آئینہ صفات کی یوں ابتدا ہوئی

منزل کی رہگزر کی سفر کی کسے خبر؟
آئے کہاں سے اور ہے جانا ہمیں کدھر؟
اتنا بھی تو پتہ نہیں ہے اپنی اصل کیا؟
خورشیدِ نور خیز ہیں یا شیشۂ قمر؟

"رچنا"

ہم عکس ہیں اگر تو بھلا کس کا عکس ہیں؟
آخر کہاں چھپا ہے وہ ہم جس کا عکس ہیں؟
کیا ہے ہماری اصل؟ بقا ہے کہ ہے فنا؟
ہم اس کا عکسِ خام ہیں یا اس کا عکس ہیں؟

اِس عکس ہی میں پیدا ہیں سب دیوی دیوتا
اِس عکس ہی میں جلوہ نما شانِ کبریا
پیدا ہوا یہ عکس تو آئے ظہور میں
جنّ و بشر، فرشتے، پیمبر، صنم، خدا

اب کیا کرے گا کوئی بھلا آگہی کی بات
منزل کی بات بھی ہے یہاں گمرہی کی بات
"شاید خدائے ارض و سما کو ہو کچھ خبر"
کہنے کی بات ہے کہ نہیں زندگی کی بات"

"رعنا"

مکتی کا گیت

کھائے جو چوٹ اور اُٹھاتا ہے پھن کو ناگ
شعلوں کو چھیڑنے سے بھڑکتی ہے اور آگ
لگتا ہے تیر جب کوئی سینے میں شیر کے
غصّے میں آکے دھاڑتا ہے اور زور سے
جب بادلوں کو چیرتی ہیں آکے بجلیاں
طوفان اُٹھ کے ہوتے ہیں سوئے زمیں رواں
"اُٹھتا ہے جب ضمیر میں طوفانِ اضطراب"
"ہوتا ہے پھر طلوع صداقت کا آفتاب"

دکھتا ہے دل جو سخت تو ہوتا ہے نغمہ زا
مژگاں تک آئے خوں تو بنے دُرِ بے بہا
جن آنسوؤں سے گھٹتی ہے آنکھوں کی روشنی
آنسو وہی بنیں گے ستاروں کی روشنی
دل پر اگر ہے بارِ دو عالم تو غم نہیں[۱]
(آخر یہ دل بھی عرشِ معلّیٰ سے کم نہیں)
گر دوستوں نے عہدِ وفا کو بھلا دیا
(انسانیت کو صدق و صفا کو بھلا دیا) ق

"رعنا" ۱ جو مصرعے اصل کے مطابق نہیں۔ اُنہیں واوین میں بند کر دیا گیا ہے

اپنے اگر نہیں رہے اپنے تو کیا ہوا
ٹوٹے ہوئے ہیں پیار کے رشتے تو کیا ہوا

"دُنیا نے کی وفا نہ مقدر نے یاوری"
لاکھوں بلائیں لا کے کھڑی کر دیں ہر گھڑی ق
ظلمت نے ہر قدم پہ اگر راہ روک لی
"تیرے نصیب میں ہے جو قدرت کی برہمی" ق
"آمادہ جنگ پر ہیں عناصر اگر تمام"
"اور چاہتے ہیں تجھ کو پلائیں فنا کا جام"
یوں ہی سہی تو فکر نہ کر خوف بھی نہ کھا
ربّانیت ہے اصل تری اپنا آپ پا
تو ہے اَبھے کوئی بھی ڈرائے گا کیا تجھے
تو ہے امر زمانہ مٹائے گا کیا تجھے
"مشکل ہو لاکھ راہ قدم کو بڑھائے جا"
"منزل پہ رکھ نگاہ قدم کو بڑھائے جا"
وحشی نہیں فرشتہ نہیں آدمی نہیں
تو مَن نہیں دماغ نہیں جسم بھی نہیں
ہے امتیازِ جنس سے آگے ترا مقام
جسم و دماغ و نفس یہ سب ہیں ترے غلام

"رعنا"

تو لازوال روح ہے جوہر ہے لافنا
تیرے ہی دم سے ہستیٔ عالم کو ہے بقا
عاجز ہوئے ہیں لفظ و بیاں تیرے سامنے
کھلتی نہیں کسی کی زباں تیرے سامنے
حیرت سے ہر کتابِ مقدس بھی ہے خموش
تیرے حضور اپنا کسی کو نہیں ہے ہوش
تخلیق کے، زماں کے تصوّر سے پیشتر ق
تشکیل کے، مکاں کے تصوّر سے پیشتر
سورج سے چاند اور ستاروں سے پیشتر
"دھرتی اور آسماں کے نظاروں سے پیشتر"
"نورِ چراغِ محفلِ امکاں رہا ہے تو!"
"ماضی کی جان آج اور کل کا خدا ہے تو"
خورشیدِ نور پاش بہ ایں شوکت و جلال
مہتابِ جاں نواز بہ ایں حسن بے مثال ق
یہ گنبدِ سپہر بہ ایں رونقِ جمال
ارضِ حسیں، خیالِ مصور کا یہ کمال ق
بندِ سبب میں جکڑے ہیں مجبور ہیں سبھی
بس اپنے اپنے کام پہ مامور ہیں سبھی
"جینے پہ اختیار نہ مرنے پہ اختیار"
"ہمت نہ سرکشی کی نہ آزادیٔ شعار"

"رعنا"

"دن کو ہے چین اور نہ ہے رات کو سکوں"
"ہر وقت اک خلش سی ہے ہر دم ہے اک جنوں"
ہستی کے ہے نصیب میں مجبوریٔ دوام
چاروں طرف ہے گردشِ شام و سحر کا دام
"وہ دام جس کی دید سے محروم ہے نظر"
"وہ دام ہے جو لمس کی قوت سے دُور تر"
وہ دام جس کے دم سے ہے محور پہ زندگی
وہ دام جس کے دم سے ہے گردش میں آدمی
وہ دام جو ہے روح کی لہروں کا اضطراب
وہ دام جو کہ ہے بھی نہیں بھی ہے مثلِ خواب
"وہ دام تار و پود ہیں جس کے تصورات
وہ دام جو ہے اصل میں تشکیلِ خواہشات"
عالم تمام ظاہر و پنہاں اسی میں ہے
کون و مکان و گردشِ دوراں اسی میں ہے
جنت اسی میں ہے برکتِ یزداں اسی میں ہے
دوزخ اسی میں لعنتِ شیطاں اسی میں ہے
آزاد گر ہے کوئی تو بس تیری ذات ہے
پیدا تجھی سے سلسلۂ کائنات ہے
تجھ سے ہے یہ جہان نہیں تو جہان سے
باہر ہے تو زمان سے با لا مکان سے

" رعنا "

خادم ترے حواس، یہ من بھی ترا غلام
کرتے ہیں صبح و شام عناصر تجھے سلام
شاہد ہے ہر، نہیں ہے تُو بندِ شہود میں
یہ ساری کائنات ہے تیرے وجود میں
تیرے سوا نہیں ہے یہاں دوسرا کوئی
کثرت تمام تیری ہی وحدت میں ہے بسی
یوں دیکھنے کو ایک سے ہے دوسرا جُدا
لیکن یہ جیو جز و ہیں تیرے ہی جسم کا
سب تیرے ہم نفس ہیں تُو ہے سب کا ہمنوا
تجھ ہی میں سب ہیں سب میں ہے تُو ہی بسا ہوا
نفرت کرے گا کیسے تُو خود اپنے آپ سے
ہٹ کر رہے گا کیسے تُو خود اپنے آپ سے
تری سرشت میں تو ہے انسان دوستی
انسانیت کا نور محبت کی روشنی
یہ فرق و امتیاز یہ آپس کے فاصلے
یہ سب کے سب ہیں خوابِ تماشا کے سلسلے
تیرے ہی عکسِ خواب سے پیدا ہے تیرگی
دراصل ایک نورِ مجسم ہے زندگی
سپنوں کا ایک سایہ ہے یہ پردۂ خفا
اک لازوال نور کو سائے سے خوف کیا

اٹھ، جاگ توڑ خواب کے بندھن تو مکت ہے
تجھ سے جہانِ زیست ہے روشن تو مکت ہے
تو "وہ" ہے ابتدا ہے نہ جس کی ہے انتہا
تو "وہ" ہے کوئی اور نہیں ہے ترے سوا

نروان کا ترانہ

(شری شنکر اچاریہ کی مشہور نظم کے چھ بند)

چدانند رُوپم، شِو وہم، شِو وہم

نہ تن ہوں، نہ من ہوں، نہ زعمِ خودی ہوں
نہ میں نفس ہی ہوں، نہ میں عقل ہی ہوں
میں ہوں ہستئ جاودان و مکمّل
مسرت ہوں میں کامران و مکمّل
میں خود آگہی ہوں مکمل و مطلق
خودی ہی خودی ہوں مکمل و مطلق

چدانند رُوپم، شِو وہم شِو وہم

نہ ہوں مختلف صورتیں خاکِ تن کی
نہ میں تندرستی، نہ میں تن خرابی
نہیں میں لڑکپن، جوانی بڑھاپا
میں ہوں تن کی تبدیلیوں سے مبرّا
نہ میں سامعہ، لامسہ، ذائقہ ہوں
نہ میں شامّہ ہوں، نہ میں باصرہ ہوں
میں ہوں ہستئ جاودان و مکمل ؛ مسرت ہوں میں کامران و مکمل
میں خود آگہی ہوں مکمل و مطلق ؛ خودی ہی خودی ہوں مکمل و مطلق
چدانند رُوپم، شِو وہم، شِو وہم

نہیں پران میں، پنج تت[1] بھی نہیں ہوں
نہیں میں است اور ست[2] بھی نہیں ہوں
نہیں وہ عناصر بنا جسم جس سے
نہ وہ پنج چادر[3] ڈھکا جسم جس سے
عمل ہوں نہ اجزائے حسنِ عمل ہوں
نہ معمول و عامل نہ عامل کا بل ہوں
میں ہوں ہستیٔ جاودان و مکمل ؛ مسرت ہوں میں کامران و مکمل
میں خود آگہی ہوں مکمل و مطلق ؛ خودی ہی خودی ہوں مکمل و مطلق
چد انند رُوپم، شِوہم، شوہم
نہ الفت کسی سے نہ نفرت کسی سے
نہ کوئی پرائے نہ کوئی ہیں اپنے
نہیں میری آنکھوں پہ مایا کے پردے[4]
نہ حرص و ہوا کے مرے دل پہ چرکے

---

1) THE FIVE VITAL AIRS

2) IN THE ORIGINAL SANSKRIT SENSE OF VISIBLE

3) THE FIVE SHEATHS

(ست) CONCRETE AND INVISIBLE & FINE (است)

[4] ان پردوں کی تفصیل یوں بیان کی جا سکتی ہے۔

نہیں فرق کوئی بھی میری نظر میں — بدی اور نیکی میں خیر اور شر میں
شبِ تار ہو یا کہ صبحِ درخشاں — مری چشمِ بینا میں دونوں ہیں یکساں
نہیں جنس کا فرق بھی اس میں پیدا — کہ تفریق سے روحِ اطہر ہے بالا
یہاں زشت اور خوب کا ذکر ہی کیا — یہاں حسنِ توحید ہر دم ہے پیدا

نہیں مجھ میں خود بینی و خود ستائی
حسد کی نہ کم ظرفی و کم نگاہی
میں ہوں ہستیٔ جاودان و مکمل ؛ مسرت ہوں میں کامران و مکمل
میں خود آگہی ہوں مکمل و مطلق ؛ خودی ہی خودی ہوں مکمل و مطلق
چدانند رُوپم، شِوو ہم شِوو ہم

نہ عیش و طرب کی ہے دل میں تمنا
نہ دھرم اور مکتی کا ہے سر میں سودا
نہیں درد و غم میں خوشی بھی نہیں ہوں
بُرائی نہیں ہوں میں نیکی نہیں ہوں
میں اس سے مبرا ہوں اس سے ہوں بالا
میں آزادِ مطلق، میں ہوں روحِ اعلیٰ
میں ہوں ہستیٔ جاودان و مکمل ؛ مسرت ہوں میں کامران و مکمل
میں خود آگہی ہوں مکمل و مطلق ؛ خودی ہی خودی ہوں مکمل و مطلق
چدانند رُوپم، شِوو ہم شِوو ہم

نہ ہوں آرتی مندروں میں نہ پوجا
نہ غاروں میں ہوں سادھنا اور تپسیا[1]
نہ محصور و محدود ہوں تیرتھوں میں
نہ محبوس ہوں مذہبی پستکوں میں

---

[1] زمانۂ حال کے مطابق یوں کہہ سکتے ہیں۔
نہ ہوں میں نماز و عبادت نہ پوجا ؛ نہ مندر، نہ مسجد نہ ہوں میں کلیسا

نہ تفریحِ ہستی کا سامان ہوں میں
نہ عیش اور مستی کا سامان ہوں میں
میں ہوں ہستئ جاودان و مکمل ؛ مسرت ہوں میں کامران و مکمل
میں خود آگہی ہوں مکمل و مطلق ؛ خودی ہی خودی ہوں مکمل و مطلق

چدانند رُوپم ، شو وہم ، شو وہم

فنا سے مجھے خوف کیا میں امر ہوں
نہ میری کوئی ابتدا میں امر ہوں
میں آزادِ مطلق ، نہیں ڈر کا بھی
مجھے واسطہ نام و صورت سے کوئی
نہ کوئی گُرو ہے نہ چیلا ہے میرا
نہ بندھو نہ بھائی پِتا ہے نہ ماتا
میں ہوں ہستئ جاودان و مکمل ؛ مسرت ہوں میں کامران و مکمل
میں خود آگہی ہوں مکمل و مطلق ؛ خودی ہی خودی ہوں مکمل و مطلق

چدانند رُوپم ، شو وہم ، شو وہم

مجھی میں ہیں سب وسعتیں آسماں کی
مجھی میں ہیں سب صورتیں دو جہاں کی
مگر کوئی حد ہے نہ میری نہ صورت
مکان و زماں سے ہے باہر حقیقت
نہ آکاش ہوں میں نہ تارا نہ دھرتی
ہوا ہوں نہ پانی نہ مٹّی نہ اگنی !
میں ہوں ہستئ جاودان و مکمل ؛ مسرت ہوں میں کامران و مکمل

میں خود آگہی ہوں مکمل و مطلق ؛ خودی ہی خودی ہوں مکمل و مطلق

چدانند رُوپم ، شِو وہم، شِو وہم

ہر اک شے میں ہر جا پہ موجود ہوں میں
مگر یہ نہیں ہے کہ محدود ہوں میں
مرے دم سے قائم ہے دنیا کی ہستی
مگر ہیں نہ جیون کا بندھن نہ مُکتی
مجھے کوئی بھی حِس کبھی چھُو نہ پائے
نہ مجھ تک کبھی عقل و ادراک آئے

میں ہوں ہستئ جاودان و مکمل ؛ مسرت ہوں میں کامران و مکمل
میں خود آگہی ہوں مکمل و مطلق ؛ خودی ہی خودی ہوں مکمل و مطلق

چدانند رُوپم ، شِو وہم، شِو وہم

مری اصل کیا ہے کہوں کیا کہ کیا ہوں
بقا ہی بقا ہوں بقا ہی بقا ہوں
میں ہوں ہستئ جاودان و مکمل
مسرت ہوں میں کامران و مکمل
میں خود آگہی ہوں مکمل و مطلق
خودی ہی خودی ہوں مکمل و مطلق

چدانند رُوپم ، شو وہم، شو وہم

دعائے مغفرت

سن اے روحِ آزاد و پاک و منوّر
سراپا سرور و نشاطِ مجسّم
گزر جا تو دارالفنا سے گزر جا
تری راہ تاروں بھری جگمگاتی
نہیں جس میں سائے مکان و زماں کے
جہاں کوئی بندھن نہ کوئی رکاوٹ
دماغ اور دل پر نہیں کوئی بندش
نظر کے لئے حد مقرّر نہیں ہے
خیالات آزاد، جذبات آزاد
جہاں سانس آزاد، حرکات آزاد
گزر جا مقامِ فنا سے گزر جا
ترے ساتھ برکاتِ حق ہوں ہمیشہ
تجھے شانتی اور مُکتی ہو حاصل

ہوُا ہے ترا کام دنیا میں پورا
تجھے خدمتِ خلق سونپی گئی تھی

مدا بجق مسٹر جے گڈ وِن

مبارک ہو تو نے سر انجام دی ہے
یہ خدمت نہایت خلوص و وفا سے
سدا دوسروں کے لئے تو جیا ہے
بلیدان جیون کا تو نے دیا ہے
ترا ہر نفس پیار کا ایک عالم
تری زندگی ترک وایثارِ پیہم
ہوئی ہیں قبولِ خدا آج ساری
جنم بھر کی قربانیاں دوست تیری
گئے ٹوٹ بندھن ترے آج سارے
تو آزادِ مطلق ہوا آج پیارے
اناالحق کے تو پا گیا آج معنی
ہوا ہستیٔ واحدِ حق سے واصل
وہ ہستی جو ہے موت بھی زندگی بھی
فنا و بقا جس میں دونوں ہیں شامل
جو کامل محبت سراپا مسرت
لیا اس محبت نے دامن میں تجھ کو
دلِ حسنِ عالم میں تو بس رہا ہے
ترے دم سے ہوتی رہے سب جہاں پر
مسرت کی الفت کی رحمت کی بارش

نہیں ہو گا تو درمیاں گو ہمارے

تری یادِ پوجا کے پھولوں کی صورت
دلوں میں ہمارے رہے گی ہمیشہ
شگفتہ، تر و تازہ، رنگیں معطر

Subash chinder bhat
AJENT :- Doublicate
agent of the library.

اے دلِ بیباک، صبر و حوصلہ[1]

اک گھڑی کو بادلوں میں آ گیا سورج تو کیا
کیا ہوا ڈوبے اندھیرے میں اگر ارض و سما
نور کو یہ ظلمتیں ہرگز دبا سکتی نہیں
پھر ابھی چمکے گی کندن کی طرح ساری فضا
حوصلہ ہاں اے دلِ بیباک، صبر و حوصلہ

"راستے میں لاکھ حائل ہو شبِ تارِ خزاں"
"آئے گا منزل پہ آخر فصلِ گل کا کارواں"
جلوۂ نورِ حقیقت چھپ نہیں سکتا کبھی
"اٹھ کے رہتا ہے بالآخر ہر حجابِ درمیاں"
حوصلہ ہاں اے دلِ بیباک، صبر و حوصلہ

ہر خلائے آب بن کر لہر ہوتی ہے رواں
آسماں سے بات کرتی ہیں زمیں کی پستیاں
سائے بڑھتے ہیں تو آتی ہے لپک کر روشنی
شورِ آوازِ درا، اک صورتِ ضبطِ فغاں
حوصلہ اے شیر دل، صبر و تحمل حوصلہ

---

[1] ان اشعار میں مہاراجہ کھیتری سے خطاب ہے۔ "رعنا"

ہیں فرائض زندگی کے جاں گسل اور دلفگار
اِس کی غم آلودہ خوشیوں کا نہیں کچھ اعتبار
اِس کی منزل دھندلی دھندلی اِسکی راہیں تار و تنگ
پھر بھی سرگرمِ سفر رہ شبّر دل ہمّت نہ ہار

حوصلہ ہاں اے دلِ بیباک، صبر و حوصلہ

گو مٹیں ساری امیدیں، خاک ہو تاب و تواں
کام کوئی بے ثمر ہوگا نہ کوشش رائگاں
آدمی مرتا ہے نیک اعمال مر سکتے نہیں
خاک سے تیری اٹھے گی زندگی ہو کر جواں

حوصلہ ہاں اے دلِ بیباک، صبر و حوصلہ

صاف دل اور باخبر انسان ہیں دنیا میں کم
ہے غنیمت اس ہجومِ جہل و شر میں اُن کا دم
گامزن نقشِ قدم پر تیرے ہوگا سب جہاں
تو اگر دل میں سمو لے سب جہاں کا درد و غم

حوصلہ ہاں اے دلِ بیباک، صبر و حوصلہ

ہے ترے ساتھ اہلِ دل اہلِ نظر کا کارواں
قوتِ یزداں ہے تیرے زورِ بازو میں نہاں
ہے دعا میری کہ نازل تجھ پہ ہوں یوں برکتیں
زیرِ پا ہوں بحر و بر زیرِ نگیں ہو آسماں

مرحبا ہاں اے دلِ بیباک، ہر دم مرحبا
حوصلہ ہاں اے دلِ بیباک، صبر و حوصلہ

خوابِ مبارک

دل میں طوفانِ مسرت ہو کہ ہیجانِ ملال
آنکھ میں اشکِ الم ہوں کہ تماشائے جمال
حالتیں دونوں حقیقت میں ہیں آنی جانی
نہ تو یہ قائم و دائم ہے نہ وہ صورتِ حال

اک تماشا ہے کہ ہوتا ہے شب و روز یہاں
نقل پر اصل کا ہوتا ہے مگر ہم کو گماں
پیرہن خندہ و گریہ کا پہن لیتے ہیں
موقع و وقت کی نسبت سے یہاں اہلِ جہاں

ہر نفس ایک تماشائے دگر ہوتا ہے
کبھی ہنستا ہے اداکار کبھی روتا ہے
کبھی تکمیلِ تمنا کی ابھرتی ہے کرن
کبھی ظلماتِ شبِ غم میں بشر کھوتا ہے

تھک کے رہ جاتی ہے جب دیدِ مسلسل سے نظر
خواب لیتا ہے کسی ایسی حقیقت کا بشر
جس کی نسبت سے ہوں اس کھیل میں معنی پیدا
جس کے دامن میں بقا کی ہو ضیا بار سحر

اے خوشا خوابِ مبارک، ذرا کر دے ملکی
جگ کی تصویر کے رنگوں کی بھڑکتی شوخی
زیست کے جام کی تلخی کو حلاوت کر دے
سخت گیری کو زمانے کی بنا دے نرمی

اپنے اعجاز کو ہر سمت گُل افشاں کر دے
لمس سے اپنے بیاباں کو گلستاں کر دے
رعد کے شور سے بھی نغمۂ جاں ہو پیدا
موت کے خوف کو نروان کا ساماں کر دے

سری رامکرشن کے چرنوں میں

وہ آیا تھا جو رام بن کے کبھی — جسے آج تک پُوجتے ہیں سبھی
ہُوا جس میں آ کر مجسم جلال — جو تھا رحم و شفقت کی زندہ مثال
سدا جس کا دریائے رحمت رواں — ق — جو سب کیلئے تھا محبت بجاں
برہمن ہو، یا ویش یا راجپوت — ملیش اور چنڈال ہو یا اچھوت
جو فوق البشر تھا جو آزاد تھا — جو جگ کی بھلائی کو پیدا ہوا
فرائض نہ تھے جس پہ لازم کوئی — مگر جو عمل میں رہا ہر گھڑی
کہیں کوئی جس کے برابر نہیں — کوئی تین لوکوں میں ہمسر نہیں
مجسّم ہوئی جو نشاطِ خودی — ق — جو قائم ہوئی ہستئ آگہی
تو سیتا کے ایثار میں ڈھل گئی — وفا و محبت کی پاکیزگی
وہ دلدارِ سیتا، مکمل جمال — وہ محبوبِ عالم، سراپا جلال

اُسی نے لیا روپ پھر کرشن کا بُرائی کا پھر ناش آ کر کیا
اٹھا کر نظر سے حجابِ مجاز بتایا حقیقت کا ارجن کو راز
سُنا پاک گیتا کا شیریں کلام ہٹے اُس کی آنکھوں کے پردے تمام
گُرو کھشیتر کا شورِ محشر مٹا سچائی کی نصرت کا ڈنکا بجا
وہی روحِ اعلیٰ وہی رام کرشن پھر آیا ہے بن کر سری رامکرشن
تجھے روحِ اقدس مکرّر سلام تجھے نُورِ مطلق مسلسل پرنام
تُو ملجا و ماوائے جن و بشر ہو مجھ پر بھی رحمت کی تیری نظر
میں آیا ہوں تیری شرن میں پربھو پڑا تیرے قدموں میں ہوں سن گُرو
ہے سنسار کے دُکھ کا درماں تُو ہی نجاتِ مکمل کا ساماں تُو ہی
جہاں تیری شکتی کے ساگر کی موج جو ہو غرق تجھ میں تو پستی نہ اوج
مٹاتا ہے اک ایک شنک تیرا نام تجھے روحِ اقدس مکرّر سلام
تُو شردھا کا طاعت کا اَوتار ہے تُو سیوا کی طاقت کا اَوتار ہے
جمالِ محبّت کا اوتار ہے کمالِ مسرت کا اوتار ہے
نہ اُبھرا ترے من میں نقشِ دوئی تُو وحدت ہی وحدت خودی ہی خودی

ترا جے ہو، نردیو[۱]، ستگورو پربھو
مرے واسطے تو ہے بس تُو ہی تُو

۱؎ LORD OF MEN خدائے جن و بشر

جیتا جاگتا معبود

(زندہ خدا)

(۱)

تو آج توڑ دے سب بُت اِس ایک بُت کے سوا

وہ بُت جو سامنے موجود ہے عبادت کو
وہ بُت جو دیر و حرم میں نہیں ہے پوشیدہ
وہ بُت کہ جس کا نہیں ہے بلند و اعلیٰ مقام
جو تجھ سے دُور فلک پر نہیں ہے جلوہ نما
دماغ و دل سے نہیں ہے بعید جس کا خیال
جو ہے نظر میں ہمیشہ تری نظر تو اُٹھا
وہ محض نقشِ خیالی نہیں حقیقت ہے
وہ جیتا جاگتا معبود ہے اُسے اپنا
سرِ نیاز اُسی بت کے پاؤں میں رکھ دے
تو آج توڑ دے سب بُت اُس ایک بُت کے سوا

(۲)

بسا ہے دیکھ وہ سنسار کی ہر اک شئے میں
وہ بُت کہ خود ترے دل میں سدا ہے جلوہ نما
رواں دواں ہیں رہِ زندگی پہ جتنے قدم
اُسی کی قوتِ رفتار سے ہیں رہ پیما

تمام ہاتھ جو کارِ جہاں میں ہیں مصروف
اُسی کی تاب و تواں سے ہیں سب عمل پیرا
اُسی کا جسم ہیں ہم سب، ہماری جان ہے وہ
نہیں ہے ہستی ہماری کوئی بھی اُس کے سوا
سرِ نیاز اسی بُت کے پاؤں میں رکھ دے
تو آج توڑ دے سب بُت اُس ایک بُت کے سوا

(۳)

وہی ہے کرمکِ ناچیز و بو تا بھی وہی
وہی ہے ادنیٰ و اعلیٰ وہی ہے شاہ و گدا
گناہگار وہی ہے وہی ہے مومنِ پاک
اگر بُرا ہے کوئی تو وہی، وہی ہے بھلا
وہ حسن و نورِ مجسم، وہ لذتِ کامل
نگاہِ فرق نگر سے بچا کے دیکھ ذرا
دراصل بس کے اسی بُت میں زندہ ہیں ہم سب
وجود اپنا نہیں کوئی اور اُس کے سوا
سرِ نیاز اسی بُت کے پاؤں میں رکھ دے
تو آج توڑ دے سب بُت اس ایک بُت کے سوا

(۴)

نہ اس کا پچھلا جنم ہے نہ کوئی اگلا جنم
وہ قیدِ زیست سے آزاد موت سے بالا

ازل سے تا بہ ابد اِک اسی کی ہستی ہے
اُسی میں بس کے جہانِ نمود ہے پیدا
اُسی کے عکسِ منوّر سے زندگی روشن
اُسی کو پا کے ہی ملتا ہے ہم کو اپنا پتا
انیک روپ ہیں اس کے مگر یہ ایک ہی ہے
نہ تھا، نہ ہے، نہ کبھی ہوگا کوئی اس کے سوا

سرِ نیاز اُسی بت کے پاؤں میں رکھ دے
تو آج توڑ دے سب بت اِس ایک بت کے سوا

(۵)

فساد و جنگ و جدل ترک کر، محبت کر
کہ آشتی و محبت میں ہے خدا کی رضا
سمجھ لے سچی عبادت کے آج معنی تو
توہمات کے اصنام کی نہ کر پوجا
خدا کو دیکھ مجسم خدا کے بندوں میں
خلوصِ خدمتِ خلقِ خدا کی مانگ دعا
یہی ہے زندہ خدا جیتا جاگتا معبود
وہ خالی ہاتھ رہے گا جو اس کو پا نہ سکا

اسی کے آگے جھکا دے سرِ نیاز اپنا
تو آج توڑ دے سب بت اس ایک بت کے سوا

اپنے احساسِ خودی (اپنی آتما) سے خطاب

اِتنا اٹھا لیا تو ذرا اور بھی سنبھال
تیرے لئے نہیں ہے کچھ ایسا بھی یہ محال
طوقِ حیات پھینک نہ کچھ دیر کو ابھی
مانا خزاں زدہ نظر آتی ہے زندگی
مایوس کُن زمانہ اگر ہے تو کیا ہوا
مستقبلِ حیات اگر تیرہ ہے تو کیا
گزرا زمانہ نکلے تھے جب اس سفر پہ ہم
اب تک رہے ہیں ہر گھڑی ہمراہ و ہم قدم
تو نے دیا ہے ساتھ نشیب و فراز میں
ثابت قدم کیا مجھے راہِ دراز میں
تو نے کیا ہے خوب مجھے ہر بار ہوشیار
جب شیطنت کا اٹھا ہے دل میں کبھی غبار
میں نے سُنی نہ تیری تو بدظن نہ تُو ہوا
ہم سوز و ہم نفس ہی رہا پھر بھی تو مرا
تیری وفا سے مجھ کو ملی دولتِ یقیں
تیری رضا سے دل ہوا تسکین کا امیں

خود مجھ سے تو رہا مرے نزدیک بارہا
تجھ ہی سے مجھ کو اپنی خودی کا پتہ ملا
دی تو نے مجھ کو میرے خیالات کی خبر
میرے شعور و ہوش کی حرکت سے پیشتر
میں تجھ کو پا کے نکلا فسونِ مجاز سے
میں تجھ میں کھو کے گزرا مقاماتِ راز سے
آئندہ و گزشتہ ملے آ کے حال میں
پیدا ہوا سکون زمانے کی چال میں
آئینۂ جمالِ حقیقت ! مرے ندیم
اے نورِ چشمِ شوق ! مرے ہمدمِ قدیم
سازِ ازل ! تجھی سے کھلا سب جمالِ صوت
آہنگِ دل، ترنمِ نغمہ، کمالِ صوت
پاک و لطیف نفسِ تخیل کی صورتیں
دم سے ترے ہیں نغمۂ احساس کی سُریں
ہم راز و ہم نفس، مرے ہم ساز و ہم نوا
تو ہی بتا کہ اب ہمیں ہونا ہے کیا جدا
رفتارِ نبض تیری مری ایک ہو چکی
دھڑکن دلوں کے ساز کی بھی ایک ہو چکی

آغازِ موسم کے گلِ بنفشہ سے خطاب

ہوا کیا جو ہے خاکِ تخ تیرا بستر
اگر تیری پوشش ہیں ٹھنڈی ہوائیں
ہوا کیا جو ہے تیرا سنگی نہ ساتھی
اگر سر پہ چھائی ہیں کالی گھٹائیں
نہیں غم اگر تیرا طالب نہیں ہے
اگر رائگاں تیری بکھری ہے خوشبو
نہیں غم جو ہے خوب پر زشت حاوی
نہیں غم جو غالب ہیں نیکوں پہ بَدخُو
گلِ تر بدل اپنی خصلت نہ ہرگز
تو اپنے پرانے چلن پر جئے جا
تو مست اور پاکیزہ خوشبو سے ہردم
فضاؤں کو ہر سو معطر کئے جا

پارٹ اپنا کر چکا ہوں میں ادا

گِر تا پڑتا جا رہا ہوں وقت کی لہروں کے ساتھ
موت تو کیا زندگی اپنی نہیں ہے اپنے ہاتھ
اک گھڑی ہوں سرنگوں تو دوسری ہوں سربلند
اختیار اس پر نہیں اور وہ نہیں مجھ کو پسند
ہر گھڑی ہے جزر و مدِ امواجِ ہستی کا بپا
اِک مسلسل دائمی حرکت مری زنجیرِ پا
مجھ کو دم بھر کے لئے آرام کی رخصت نہیں
اک دعائے حاصلِ تسکین کی فرصت نہیں
ہر قدم پر اک نیا منظر مگر نا پائدار
ہر نظر میں شوقِ تازہ اک سرابِ بے کنار
اک فسونِ حرکتِ دائم، سکوں اندر زماں
ایک سحرِ حسنِ منزل، لا مکاں اندر مکاں
آئے دن کے اس تماشے سے مرا جی بھر چکا
اب تو دل بے تاب ہے پانے کو اس کا مدعا
یہ بھی کیا ہے دمبدم حرکت مگر انجامِ کار
ہیں قدم اپنے مقامِ جہل پر ہی استوار

یہ گماں ہوتا ہے، پہونچے ہیں کہیں سے ہم کہیں
دیکھتے ہیں تو کھڑے ہیں ہم وہیں کے پھر وہیں
کشمکش میں عمر گزری ہے مگر گرداب سے
بچ نکلنے کی نظر آتی نہیں صورت مجھے
اک کرن تک بھی سہارے کی نظر آتی نہیں
اک جھلک تک بھی کنارے کی نظر آتی نہیں
دیکھئے تو موج اندر موج ہے یہ کائنات
وہم ہے اک خود فریبی ہے یہاں ساحل کی بات
زندگی ہے اک سفر منزل سے اپنی بے خبر
سنگِ میل ارض وسما، انجم چراغِ رہ گزر
چلتے چلتے جانے کتنے ہی جنم بیتے مگر
سلسلہ یہ ختم ہوتا ہی نہیں آتا نظر
پا بگردش ہوں مگر معلوم ہوتا ہے مجھے
جیسے بابِ زیست پر استادہ ہوں اک عمر سے
لاکھ کوشش پر بھی بابِ زیست وا ہوتا نہیں
آفتابِ زندگی جلوہ نما ہوتا نہیں
آرزو میں جس کی آنکھوں نے لگا کر ٹکٹکی
کوششِ بے سود میں کھوئی ہے اپنی روشنی
پھر بھی امیدِ وصالِ دوست زندہ ہے ابھی
کیا رسائی بھی حریمِ ناز تک ہوگی مری؟

خشم آلودہ نظر سے بندیاب زندگی
کہہ رہا ہے ,, اک قدم آگے نہ بڑھنا تم کبھی
آگے بڑھ کر آپ اپنی موت کو دعوت نہ دو
بس یہی ہے حد تمہاری اپنی ہی حد میں رہو
جاؤ تم بھی دوسروں کے ساتھ مل جل کر رہو
عیش جی بھر کر کرو کھاؤ پیو کھیلو ہنسو
تم بھی پی لو خوب جامِ جہل مستانہ پھرو
فکرِ امروز و خیالِ دی و فردا چھوڑ دو
یہ نہ پوچھو کیا ہے اپنی زندگی کا مدعا
یہ نہ دیکھو ہے کہاں تک عیش و غم کا سلسلہ
میری مانو وصلِ وحدت کی نہ تم کوشش کرو
ہے یہی بہتر کہ جا انبوہِ کثرت میں ملو
جو کبھی نکلا ہے مقامِ آگہی کو ڈھونڈنے
اپنا سب کچھ اس نے کھویا آپ اپنے ہاتھ سے
ہے تمہارے سامنے میدان غفلت پُر فضا
جاؤ کھیلو کیا کرو گے تم ادھر آ کر بھلا
اور لوگوں کی طرح رہ لو اگر ہو سچے گزند
"کھل کھلا کر خوب ہنس لو کچھ اگر آئے پسند
راہِ غفلت کا سفر آسان ہے، ہموار ہے
رازِ سربستہ کا رستہ تنگ ہے دشوار ہے"

عیشِ دنیا کی نصیحت پر مجھے بھاتی نہیں
کیا کروں میری طبیعت اب اِدھر آتی نہیں
بُلبلہ پانی کا ہے میری نظر میں یہ زمیں
اس کے نام اور شکل کی کوئی حقیقت ہی نہیں
"موت اک خوابِ پریشاں، زندگی موجِ سراب"
"گردشِ دوراں فقط اک منظرِ رقصِ حباب"
دل میں میرے اب تو باقی ہے یہی اک آرزو
دیکھوں ان آنکھوں سے میں حسنِ حقیقت رُوبرو
ایک دن کُھلنا پڑے گا زندگی کے باب کو
خود بخود ہٹنا پڑے گا پردۂ اسباب کو
توڑنا ہوگا مجھے یہ نام وصورت کا طلسم
مجھ کو پانا ہے کہ ہوں میں خود ہی اصلِ اسم وجسم
آجگت ماتا حقیقت کا اجالا دے مجھے
تھک گیا ہوں اپنی شکتی کا سہارا دے مجھے
مجھ پہ کُھل جائیں جمالِ زندگی کے بند باب
مجھ پہ ہو جائے کمالِ آگہی سب بے نقاب
کھیلنے کو گود سے اپنی اتارا تھا مجھے
تو نے خود ہی جہل کے سایوں میں بھیجا تھا مجھے
پھر بھیانک روپ میں آئی تو خود ہی سامنے
نا امیدی بے بسی اور خوف دل میں بھر گئے

---

* رعنا"

بازئ معصوم سرتاپا مصیبت بن گئی
زندگی میری سراسر بارِ محنت بن گئی

غصہ و غم کا دماغ و دل میں اک طوفاں اٹھا
من مرا حرص و ہوا کی تند لہروں میں گھرا

جس طرف چاہا ہولئے شوق نے پھینکا مجھے
لا اِدھر پٹخا مجھے یا دے اُدھر مارا مجھے

ٹھوکریں کھا کر بھی مِٹ پاتا نہیں دنیا کا پیار
آدمی آتا ہی رہتا ہے جہاں میں بار بار

زندگی ہے اک مسلسل شورِ مرگِ آرزو
موت ہے تکمیلِ خواہش کی مسلسل جستجو

حسنِ گل میں رنگِ خونِ آرزو شامل ہے یاں
آبِ شبنم میں نہاں ہے شعلۂ برقِ تپاں

پھر بھی مجبورِ تمنا خود فریبی کا شکار
ڈھونڈتا ہے آدمی موہوم خوشیاں بار بار

ہر خوشی کے جامِ شیریں میں یہاں دُردِ الم
ہر مسرت کا گلِ رنگیں لئے ہے خارِ غم

خندہ و گریہ کا چکر آئے دن چلتا ہے یاں
دامنِ عیش و طرب میں رنج و غم پلتا ہے یاں

جستجوئے لذتِ کامل و خوفِ دردِ غم
ہے انہی اجزا سے ترتیبِ جہانِ بیش و کم

روز بر حالت یہاں کی دیکھتے سنتے ہیں ہم
پھر بھی رنگیں خواب بچوں کی طرح بُنتے ہیں ہم
خاک میں ملتے ہیں آخر سب سنہرے خواب بھی
عہدِ پیری میں قدم رکھتی ہے جونہی زندگی

عمرِ رفتہ کی امیدیں دلفریب و دلرُبا
اور جوانی کی امنگیں جانواز و جاں فزا
زنگ خوردہ خستہ و پامال و پژمردہ سبھی
خاکِ ناکامی و محرومی میں ہیں لپٹی ہوئی

دُکھ تو یہ ہے آگہی ہوتی ہے جب اس بات کی
اپنی فطرت کو بدل سکتا نہیں ہے آدمی
عمر بھر کی خواہشیں اور آرزوئیں اور خیال
بُن کے رکھ دیتے ہیں کرموں کا بہت مضبوط جال

دام سے مایا کے چھٹنا مر کے بھی ممکن نہیں
خواہشیں ہر بار پھر لے آئیں گی واپس یہیں
موت و پیدائش کا چکّر رہتا ہے جاری یونہی
اس کی گردش میں کمی آنے نہیں پاتی کبھی

دیکھنے کو دُور اس چکّر سے ہو جاتے ہیں ہم
موت کے دامن میں آخر تھک کے سو جاتے ہیں ہم
لے کے تازہ دم نئے اجسام میں طاقت نئی
پھر سے اس چکّر میں آتے ہیں جواں ہو کر سبھی

آئے دن چلتا ہے یہ چکر حیات و موت کا
اِس جہاں میں جو بھی آیا پیچ میں اس کے پھنسا

خواہشیں ہیں اِس کا مرکز ہیں نشاط و غم دُھرا
جھوٹی امیدیں اسے کرتی ہیں سب حرکت عطا

خود فریبی کا کھلونا ہے مگر یہ اصل میں
جہل کے سائے کا پردا ہے مگر یہ اصل میں

تو دیا تُو ہے جگت ماتا شرن میں لے مجھے
اپنے چرنوں سے لگن اور پریم سچا دے مجھے

"دے مرے من کو تو شکتی شوق کو عزم و ثبات
تا کہ خود میں ڈوب کر پا جاؤں میں رازِ حیات"

تجھ کو تیری پاکیٔ قلب و نظر کا واسطہ
تجھ کو تیری فطرتِ وحدت نگر کا واسطہ

از رہِ لطف و کرم، کر خامیوں سے درگزر
دستِ شفقت میرے سر پر مجھ پہ رحمت کی نظر

پھر جگت کے اس کنارے پر مجھے لے چل جہاں
روز و شب کی کشمکش کا ہو نہ کوئی بھی نشاں

ہوں نہ دل میں انبساط و غم کے احساسات تک
کامرانی اور ناکامی کے یہ جذبات تک

"عیش و عشرت ہو نہ کوئی گریہ و فریاد ہو
زندگی اضداد کی ہر قید سے آزاد ہو"

"رعنا"

وہ جہاں جس کی فضا میں ہے جلالِ لاجواب
جس کے پرتو سے ہیں پیدا ماہ و انجم، آفتاب
جس کی ہلکی سی ادا سے بجلیوں میں ہے چمک
نور ہیروں میں چھپا ہے موتیوں میں ہے دمک
ہو کے یکجا بھی یہ انوارِ پریشانِ جہاں
دے نہیں سکتے جلالِ حسن کا تیرے نشاں
اپنے چہرے سے ہٹائے پردہ سحرِ مجاز
ختم اب تو کر ہی دے میرے لئے قیدِ نیاز
کھیل میں اپنے جو تو نے پارٹ سونپا تھا مجھے
کر چکا ہوں میں ادا وہ محنتِ بسیار سے
اب دکھا دے اپنے روئے پاک کا جلوہ مجھے
اپنے چرنوں میں جگہ دے اب جگت ماتا مجھے

یہ ترا جام ہے

(۱)

تیرے ہی حصے میں یہ جام ازل سے آیا !
سچ تو یہ ہے ترے ان ہاتھوں نے خود کی ہے کشید
جام میں تیرے بھری ہے جو یہ بے نُور شراب
جگ کے جگ بیت گئے تجھ کو نہیں اس کی خبر
شاخِ عصیاں کے ثمر ہی سے یہ شیریں تلخی
خود ترا دستِ ہوس جام فضا میں لایا
میرے ہاتھوں تجھے یہ جام تو پینا ہوگا[۱]
یہ ترا جام ہے

(۲)

یہ تری راہ ہے
تیرے ہی واسطے مخصوص و مقرر ہے یہ راہ
یہ خطرناک بھی تاریک بھی دشوار بھی ہے
دشت سے ہو کے گزرتی ہے یہ درد و غم کے
"دن کو ہوتا ہے جہاں شب کی سیاہی کا گماں" (محروم)

۱؎ سوامی جی کے موضوع سے گریز کرتے ہوئے میں یہاں یہ اضافہ کرنا چاہوں گا
تجھ کو معلوم بھی ہے کتنے جنم بیت گئے

(باقی اگلے صفحہ پر)

پھر بھی اس راہ گزر پر تجھے چلنا ہوگا
میں نے اس راہ میں پھیلائے ہیں پتھر ایسے
جو نہ ہرگز تجھے رُکنے کی اجازت دیں گے
ہر قدم ہونا ہی ہوگا تجھے سرگرم سفر
دوسروں کے لئے کچھ اور کھلی ہیں راہیں

جو کشادہ بھی ہیں روشن بھی ہیں ہموار بھی ہیں
جو گزرتی ہیں مسرت کی ہری وادی سے
یا دلِ شاد رواں ہیں جو مسافران پر
آہ یہ تیری طرح وہ بھی بالآخر تجھ تک
بند ہیں تجھ پہ مرے لال مگر یہ راہیں
تجھ کو دکھ درد کے رستوں سے گزرنا ہوگا
میں نے مخصوص کیا ہے جنہیں تیرے ہی لئے صلہ

بادۂ تلخیٔ ایام کو پیتے پیتے
"تشنگی پھر بھی تری کم نہیں ہونے پائی"
آج پینے کا سلیقہ میں سکھاتا ہوں تجھے
مے تو مے دُردِ تہہ جام خوشی سے پی جا
ڈال دے پھر مری آنکھوں میں تو اپنی آنکھیں
ان میں پا جائے گا نورِ رازِ شکستِ شیشہ
پیاس بجھ جائے گی سب تیری ہمیشہ کے لئے

صلہ میں اس بند کے موضوع کو یہاں سے بدلتے ہوئے یہ اضافہ کرنا چاہوں گا۔ (باقی اگلے صفحہ پر)

(۳)

یہ ترا کام ہے

اس میں دُکھ درد ہے سُکھ چین کا یہ کام نہیں
نہ سمائش کی ہے اس کام میں کچھ گنجائش
اس میں بس محنت و تکلیف ہے آرام نہیں

اس کی تکمیل کسی اور سے ہونے کی نہیں
میری تخلیق میں اس کام کا ہے خاص مقام
آج میں دعوتِ تسلیم تجھے دیتا ہوں
مدعا اس سے مرا کیا، مرا مقصد کیا ہے
کلکِ تقدیر نے کیوں لکھا ترے نام یہ کام
یہ سمجھنے کی ابھی کوششِ بے سود نہ کر
عرض کی تجھ کو اجازت ہے نہ ہے اذنِ سوال
میرے ایما سے اُٹھ اور اپنا تو لے کام سنبھال
ہنستے ہنستے تجھے یہ بار اٹھانا ہوگا

جُگ کے جُگ بیت گئے تجھ کو نہیں اس کی خبر
آمد و رفت کا ہے سلسلہ کب سے جاری
آج چلنے کا طریقہ میں بتاتا ہوں تجھے
دے مرے ہاتھ میں ہاتھ اور اسی راہ پر چل
بھول جا رنجِ سفر چھوڑ دے سب فکرِ مآل
خوفِ گم گشتگی دُوریِ منزل کا خیال
عشق کا پہلا قدم ہی ہے نویدِ منزل

خود بخود راز یہ تقدیر کا کھل جائے گا
میرے کہنے سے تو کر بند یہ آنکھیں اپنی
دیکھ پھر جلوۂ تاباں کا ان آنکھوں سے جلال

"پربُدھ بھارت" (بیدار ہندوستان) سے خطاب[1]

جاگ اٹھا ہے جاگ اٹھا ہے　　ہاں تُو پھر سے جاگ اٹھا ہے

گہری نیند میں کھویا تھا تُو
موت کی لیکن نیند نہ تھی یہ
نیند یہ تھی وہ نیند جو پھر سے
جیون کو تازہ کرتی ہے
تُو نے پھر اس نیند سے پائی
تاب و تواں بھرپور جوانی
تجھ کو پھر اس نیند نے بخشی
جیون کی دلکش رعنائی
تیری آنکھوں میں لہرائے
پھر اس نیند نے تازہ جلوے
تیرے نین کنول کی جگمگ
دیکھ کے سورج بھی شرمائے
تاریکی میں ڈوبی دنیا

---

[1] یہ اشعار رامکرشن کے میگزین (رسالہ) "پربدھ بھارت" (بیدار ہندوستان) سے اس وقت مخاطب ہو کر لکھے گئے جب اس کا مقامِ اشاعت مدراس سے الموڑہ تبدیل کیا گیا۔ ترجمہ کرتے وقت میرے دماغ میں اس رسالہ کا لفظی اور بیدار ہندوستان کا زیادہ خیال تھا۔

نورِ ضیا کی جویا دنیا
راہ تری یوں دیکھ رہی ہے
جیسے صدیاں بیت گئی ہوں
اُٹھ کر نور کی بارش کر دے
تُو ہے سراپا نورو تجلّی
تُو ہے سراپا حق و صداقت
تُو ہے امر تو لافانی ہے
اُٹھ اور نورِ صداقت برسا
دنیا کو جلووں سے بھر دے

ہاں تو پھر سے جاگ اٹھا ہے
جاگ اٹھا ہے جاگ اٹھا ہے

اپنے قدم کو ایسے بڑھا تُو
کوئی نہ ہو پامال و فسردہ
دُکھ نہ کسی کے دل کو پہنچے
گردِ رہ تک ہو نہ پریشاں
ہر اک گام پہ بڑھتی جائے
ہمت تیری، طاقت تیری
حق و صداقت کا نعرہ ہو
تیری زباں پر ہر دم جاری
بانگِ درا کی صورت بڑھ کر
دنیا کو بیدار کئے جا

ہاں تو پھر سے جاگ اُٹھا ہے
جاگ اُٹھا ہے جاگ اُٹھا ہے

غم کیا بدلا ہے جو زمانہ
صبح نہیں وہ شام نہیں وہ
اگلے لوگ نہیں تو غم کیا
پہلے سا وہ پیار نہیں ہے
رنگ بدلتے ہی رہتے ہیں
روز بدلتی اس دنیا کے[1]
لیکن پھر اپنے مرکز پر
آخر آتی ہے ہر اک شے
تازہ اپنے ہی ماخذ سے
ہر شے کا جیون ہوتا ہے

---

[1] اصل کے مطابق یہ مصرعے یوں ہونے چاہئیں۔
دُور وطن سے ہے تو کیا غم
بچھڑے ہیں جو پیارے تو کیا
جن ہاتھوں پر پروان چڑھا تو
ان ہاتھوں کی شفقت جواب
تجھ کو نہیں حاصل تو کیا غم
قدرت کا قانون یہی ہے
روز بدلتی ہے یہ دنیا

آج نیا جیون پا کر تو
اُٹھ آواز صداقت بن کر
مُردہ دلوں کو پھر سے جِلا دے
گرا دے پھر سر دلہو کو
دنیا کو بیدار کئے جا

ہاں تو پھر سے جاگ اٹھا ہے
جاگ اٹھا ہے جاگ اٹھا ہے

آج نیا آغاز ہو پھر سے
دیکھ کہ تو پھر آپہونچا ہے
کوہ ہمالہ کی گودی میں
اس وادی کی تازہ ہوائیں
تجھ کو توانائی بخشیں گی
مستی میں لہرا کے اٹھیں گے
جب بادل ساگر کی صورت
وسعت ہوگی پیدا دل میں
سرو و صنوبر تجھ کو لے کر
اپنے سایوں کے دامن میں
سکھ چین اور تسکیں بخشیں گے
برف کے میداں کی پہنائی
بادل میں جب مسکائے گی
برسیں گے ہر سمت اُجالے

لے کر جب لافانی نغمے
اُترے گی آکاش سے گنگا
تیرے گلے سے اٹھیں گے پھر
صدق و صفا کے شیریں نغمے
گا گا کر یہ گیت ازل کے
دنیا کو بیدار کئے جا

ہاں تو پھر سے جاگ اٹھا ہے
جاگ اٹھا ہے جاگ اٹھا ہے

یہ نغمے یہ دل کی مسرّت
یہ وسعت اور یہ پہنائی
یہ طاقت یہ حسن یہ جلوے
دل کا سکوں تسکین نظر کی
ان سب کو جب بھر لے گا تو
اپنی ہمت کے دامن میں
تو پھر سچے پریم کی نعمت
تجھ کو اُما دیوی بخشے گی
دیوی یہ کیلاش کی پتری
دیوی ہے سر تا پا شکتی
جیون یہ اس کے دم سے ہے
سارے کام اس جگ کے ہمیشہ
ہوتے ہیں ہاتھوں سے اسی کے
اصل میں اس کی شکتی ہی ہے

وحدت مایا روپ میں ڈھل کر
ہم کو نظر آتی ہے کثرت
رحمت سے اِسی جگ ماتا کی
آنکھوں سے مایا کا پردہ
آخر خود ہی ہٹ جاتا ہے
پھر کثرت کے جلوے یکدم
غرقِ وحدت ہو جاتے ہیں
اُٹھ کہ آما دیوی نے تجھ کو
دان مہا شکتی کا دیا ہے
تیری رگ رگ میں بھر دی ہے
اس نے پریم کی سچی شکتی
جواب حق کا نعرہ بن کر
سارے جگ میں گونج اٹھے گا
اُٹھ پھر سے یہ نعرہ لگا کر
دنیا کو بیدار کئے جا

ہاں تو پھر سے جاگ اٹھا ہے
جاگ اٹھا ہے جاگ اٹھا ہے

تجھ پہ بزرگوں کی شفقت ہے
تجھ پہ برکت اُن رشیوں کی
حق کا جلوہ جن رشیوں نے
اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے

قیدِ مکاں سے جو باہر ہیں
بندِ زماں سے جو باہر ہیں
جو ہیں ازل سے جو ہیں ابد تک
جن کا دم محدود نہیں ہے
بھولی بسری ان صدیوں میں
سب کے لئے پیغام ہے جن کا
خواہ وہ چھوٹے ہوں یا بڑے ہوں
خواہ وہ اچھے ہوں یا بُرے ہوں
آریہ جاتی کے وہ بانی
عالمی روحیں وہ نورانی
تو جن کا ہے وارث و خادم
دیکھ ترے اجداد وہ تجھ کو
دعوتِ عظمت پھر دیتے ہیں
ناز ہے جن کی ذات پہ تجھ کو
تجھ کو چلونی وہ دیتے ہیں
اُٹھ ان کے پیغام کو پھیلا
رازِ حقیقت افشا کر دے
اے خورشیدِ حق و صداقت
جہل کی تاریکی کو مٹا دے
نورِ خودی ہر سو پھیلا کر
دنیا کو بیدار کئے جا

ہاں تو پھر سے جاگ اٹھا ہے
جاگ اٹھا ہے جاگ اٹھا ہے

رشیوں کے آنکھوں کے تارے
دنیا کی قسمت کے ستارے
بند لبوں کو کھول ذرا تو
چپ چپ کیوں ہے بول ذرا تو
تیرے دل سے جب اٹھے گی
نرم و شیریں آوازِ صداقت
جھوٹ کے لمبے لمبے سائے
باطل کے سب نقش خیالی
بحرِ جہالت کے سب سفینے
اک اک کر کے مٹ جائیں گے
حق و صداقت کا سورج پھر
چمکے گا سو شان سے ہر سو
اٹھ پیغام سنا کر حق کا
دنیا کو بیدار کئے جا

ہاں تو پھر سے جاگ اٹھا ہے
جاگ اٹھا ہے جاگ اٹھا ہے

دنیا والوں کو للکارو
کہہ دو نیند کے ان ماتوں کو
"اٹھو جاگو اٹھو جاگو

کب تک خوابوں کی عشرت میں
خود کو یوں برباد کرو گے
سپنوں کی جادونگری سے
نکلو۔ باہر نکلو۔ دیکھو
کوئی نہیں سپنوں کی حقیقت
دنیا ہے یہ خواب کی دنیا
"کرم" خیالی پھولوں سے یاں
(جن کی شاخیں ہیں نہ جڑیں ہیں)
ہار پروتا ہے بے رشتہ
جو بھی نظر آتا ہے یہاں وہ
سپنوں کا تانا بانا ہے
نیست ہے وہ نابود ہے وہ سب
سب ہے ایک نظر کا دھوکا
حق کی محض اک پھونک سے یکدم
غرقِ فنا جو ہو جاتا ہے
کب تک کھاؤ گے یہ دھوکا
اٹھو جاگو اٹھو جاگو"
سوتے ہیں جو سب کو جگا دو
ہاں تو پھر سے جاگ اٹھا ہے
جاگ اٹھا ہے جاگ اٹھا ہے
کہدے اک اک جگ باسی سے

اٹھ اور تابِ حق پیدا کر
توڑ طلسمِ خوابِ نمو کو
سازِ انا الحق چھیڑ دے پھر سے
تیرے سوا یاں کوئی نہیں ہے
اٹھ اور رازِ خودی کو پالے
لیکن خواب کے نظاروں سے
سحرِ نظر کے ان جلووں سے
تو ہے ابھی تک ناآسودہ
تو ہے فنا بالذات سے خائف
تاب نہیں توحید کی تجھ کو
سپنوں سے ہے پیار ابھی تک
خیر ابھی سپنوں میں رہ تو
لیکن ان سپنوں کو اپنا
جو آخر تجھ کو لے جائیں
تیری حقیقت کی منزل تک
یہ سپنے ہیں جگ سیوا کے
صاف۔ کھری سچی خدمت کے
یہ سپنے ہیں پیار کے سپنے
سپنوں سے سپنوں کا جادو
کیونکر توڑا جا سکتا ہے
تو اس راز سے سارے جگ کو

روز و شب آگاہ کئے جا
دنیا کو بیدار کئے جا

ہاں تُو پھر سے جاگ اٹھا ہے
جاگ اٹھا ہے جاگ اٹھا ہے

دوش ہے سارا خود اپنا

خورشیدِ حیات آ پہونچا ہے مغرب کے شفق گوں دامن میں
دم توڑ رہا ہوں میں اپنا، ہر سانس ہے میری الجھن میں
اٹھتی ہے لپک کر جیسے لَو، بجھنے سے پہلے دیپک کی
اک بار بھڑک اٹھی ہیں پھر جیون کی کرنیں ویسے ہی
حیران تکا ہوں میں پھر سے سب عہدِ گزشتہ جاگ اٹھا
لیکن ہے نرالا روپ اُس کا لیکن ہے انوکھا رنگ اُس کا
تھا ناز مجھے جن کاموں پر جو کام نظر آتے تھے بڑے
اب ان سے ندامت ہوتی ہے آتی ہے مجھے اب شرم اُن سے
میں سوچتا ہوں نادم ہو کر یہ اپنا کیا ہے کیا سارا
اب دوش کسی کو کیا دوں میں جب دوش ہے سارا خود اپنا

جیون کے اک اک دن کو خود اپنے ہاتھوں سے میں نے
تشکیل کیا، تعمیر کیا پھر کیسی شکایت اور کس سے ؟
میں خود ہی بناتا ہوں اور خود لیتا ہوں بگاڑ اپنی قسمت
اعمال سے اپنے ہوتی ہے تقدیر کی پیدا ہر صورت
اعمال بھلے ہوں تو اُن سے لیتے ہیں بھلے اعمال جنم
اعمال بُرے ہوں تو اُن سے لیتے ہیں بُرے اعمال جنم

جیون ساگر میں کرموں کی لہریں کچھ ایسے چلتی ہیں
روکے سے نہ ہرگز رُکتی ہیں، ٹالے سے نہ ہرگز ٹلتی ہیں
میں سطح سے نیچے جا نہ سکا تو کس کی شکایت کس کا گلہ
اب دوش کسی کو کیا دوں میں جب دوش ہے سارا خود اپنا

میرا ہی مجسّم ماضی ہے کہتا ہوں جسے میں حال اپنا
ناکام تمناؤں نے مری پھر آکے بنایا یہ نقشا
سب رنگ پُرانے ہیں اس میں احساس وہی جذبات وہی
ہیں فکر و نظر کے ڈھنگ وہی، ہے عزم و عمل کی بات وہی
پھر نقشِ وفا کے جلوؤں سے دنیائے محبت جاگ اٹھی
پھر خاکِ تغفّص و نفرت سے اٹّھی ہے عداوت کی آندھی
یوں اپنا کیا آگے آیا۔ یوں بھرنی پڑی کرنی اپنی
یوں موت سے ہونی ہی تھی ہے تجدید حیاتِ فانی کی
تقدیر کا میری یہ نقشہ کرموں نے مرے ترتیب دیا
اب دوش کسی کو کیا دوں میں جب دوش ہے سارا خود اپنا

سودائے طرب اور خوفِ الم، شہرت کی تمنّا، نام کا غم
یہ بھوت ہیں میرے کرموں کے گھیرے ہیں مجھے ظالم ہر دم
کچھ خوف نہیں آتا لیکن ان گورے کالے بھوتوں سے
جو اپنی اپنی صورت میں آکر ہیں کھڑے میرے آگے

یہ دیو بڑے زور آور ہیں لرزے میں ہیں جن سے چرخ و زمیں
دیکھو تو حقیقت سرتاپا۔ سوچو تو حقیقت کچھ بھی نہیں
اضداد کا اک مجموعہ ہے دنیائے اضافی کی ہر شے
ہر سکھ کے ساتھ اک دکھ ہے یہاں ہر پیار کے ساتھ اک نفرت ہے
وہ سکھ نہ ہو جس میں دکھ کوئی۔ ڈھونڈا پہ نہ ملنا تھا نہ ملا
اب دوش کسی کو کیا دوں میں جب دوش ہے سارا خود اپنا

جیون کی تہہ میں جب ڈوبا۔ دل پر تب یہ راز کھلا
تقدیر کا اپنی خالق ہوں، معمار ہوں اپنی قسمت کا
غم عہدِ گزشتہ کا میں نے، بے سود سمجھ کر ترک کیا
موہوم سا ڈر مستقبل کا پھر دل سے میرے معدوم ہوا
احساس ہوا آزادی کا۔ اضداد کے بندھن سے چھوٹا
یکساں نظری اب مجھ کو ملی۔ اب فرق مٹا نیک و بد کا
نفرت نہیں دل میں پیار نہیں، آرام نہیں آزار نہیں
مغلوب نہیں ہوں میں دکھ سے، سکھ میں یکسر سرشار نہیں
اب پیاس مٹی ہے جینے کی اب خوف نہیں ہے مرنے کا
اب ایسی فنا کی خواہش ہے خود جس میں بقا شامل ہے سدا
اب دوش کسی کو کیا دوں میں جب دوش کا حامل کوئی نہیں
اک واحد ہستی باقی ہے اب اور نہیں کوئی بھی کہیں
اب جذب ہے کثرت وحدت میں۔ اب شکل نہیں اپنی اپنی
اس ایک حقیقت کو کہہ لو چاہو تو خدا چاہو تو خودی +

+ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں۔

سچّا واحد سالک جس نے سب ترک کیئے جھوٹے رستے
کامل انساں جس کی نظر واقف ہے رسومِ منزل سے
"ہوتا نہیں" تو بیدار ہے جو "ہونے کو" "جو خواب سمجھتا ہے
جو موت تو موت حیات کو بھی بس ایک عذاب سمجھتا ہے
سو بار سلام شوق مرا اُس ایک خدائے ہستی کو
اک ایک نفس سو سو سجدے ۔ بیدار خودی کی مستی کو

+ اس مقام پر اصل سے ذرا گریز کرتے ہوئے سوامی جی کے بنیادی خیال کو یوں بھی بیان کیا جاسکتا ہے ۔

اس کو ست چت آنند کہو، نروان کہو یا آزادی
بھگوان کہو جگدیش کہو یا پھر وشنو، شنکر، شکتی

اوتار، پیمبر، سنیاسی، کامل انساں، سالک، ساقی
سو نام ہیں اِس کے لیکن یہ دراصل ہے بس واحد ہستی
سو بار سلامِ شوق کرو اس ایک خدائے ہستی کو
اک ایک نفس سو سو سجدے بیدار خودی کی مستی کو

کس کو خبر ہے کون شناسائے حال ہے

مانا کہ تابِ دید کی نعمت ملی تجھے
مانا کہ غیب غیب نہیں ہے ترے لئے

اہلِ زمانہ سالک و رہبر کہیں تجھے
مردِ خدا شناس و پیمبر کہیں تجھے

ادراکِ راز ہو تجھے کامل محال ہے
کس کو خبر ہے کون شناسائے حال ہے

کن کن تہوں میں غیب کی ماں نے دیئے چھپا ق
وہ ناوکِ خموش جو ہرگز نہ ہوں خطا

ممکن ہے تجھ سے تیز نظر ماں کے لال نے ق
آنکھوں پہ اپنی زور بہت ڈال ڈال کے

دھندلی سی دیکھ لی ہوں پسِ پردہ صورتیں
لرزاں جو آرہی ہیں جہانِ نمود میں

لیکن کسے خبر ہے یہی دھندلی صورتیں
طوفانِ بے پناہ اٹھائیں گی دہر میں

آئی ہیں یہ کہاں سے یہ جائیں گی اب کدھر
کیا ہے شہود و غیب، یہ ماں ہی کو ہے خبر

ممکن ہے چند پاک و منور مہارشی! ق
رکھتے ہوں اصلِ محفلِ امکاں سے آگہی

وہ جانتے ہوں کب کسی پاکیزہ روح پہ ״
ہوتی ہے ماں تا کی محبت بھری نظر

کس پُر خلوص دل میں عقیدت کے تخت پر ״
باصد جلال ہوتی ہے ماں آکے جلوہ گر

وہ جانتے ہوں روح گرفتار کیوں ہوئی ״
قادر ہے وہ تو بے بس و لاچار کیوں ہوئی

بندِ تعلقات میں کیوں آیا آدمی ״
آزادیٔ حیات کہاں تھک کے رہ گئی

کیا ہیں اصول جن کے مطابق یہ زندگی ״
آزاد پھر سے ہوتی ہے پاتی ہے شانتی

حاصل ہو جس سے نعمتِ خوشنودی و رضا ״
منظور ہے جو ماں کو وہ حسنِ عمل ہے کیا

ہے آگہی انہیں پہ بیاں کی نہیں مجال ״
ہرگز زباں پہ لا نہیں سکتے نظر کا حال

قدرت کے جن کو کہتا ہے قانون سب جہاں
جن سے بندھے ہیں اہلِ زمیں اہلِ آسماں

دراصل یہ تمام قوانینِ بے پناہ ٥
ماں کی رضا کی موج ہیں ماں کی غلط نگاہ ٥

جلوے جمال و نور کے ہوں گے کسے نصیب
یہ منحصر ہے کتنا ہے ماں کے کوئی قریب

چاہے جو ماں تو چھوٹے سے بالک کو بخش دے
جلوے جو دیوتاؤں کے دل میں نہ آسکے

چار جولائی[1] کی صبح

۱

وہ دیکھ صبحِ درخشاں نے لی ہے انگڑائی
وہ کالے کالے گھنے اور ڈراؤنے بادل
جو آسماں پہ سرِ شام ہی سے چھائے تھے
رُخِ زمیں پہ بنے تھے جو سوگ کی چادر
سب ہٹتے جاتے ہیں جیسے اُٹھے کوئی پردہ
نقاب یا کوئی اُلٹے رُخِ منوّر سے
پگھل رہا ہے اندھیرا دمک رہا ہے نور
اُتر رہی ہے سیاہی فضا کے دامن سے
کہ جیسے داغِ گنہ دُھل رہے ہوں اشکوں سے
جمالِ صبح کی کرنوں کے لمس سے دنیا
اُٹھی ہے ملتی ہوئی نیند اپنی آنکھوں سے
صبا کے ہاتھ سے شبنم نے لے کے عطرِ بہار
کلی کلی کے لب و چشم و رخ کو دھویا ہے
نگاہِ ناز میں چمکا غرورِ حسن و جمال
ستارے اترے زمیں پر گلوں کی صورت میں
گلوں کے چہرۂ رنگیں پہ دیکھ کر مسکان!

---

[1] امریکی یوم آزادی

پرندے گانے لگے ہیں خوشی سے میٹھے گیت

۲

یہ سب سماں تجھے خوش آمدید کہتا ہے
کشادہ جھیلوں کے پاک اور صاف پانی پر
کنول کے پھول بچھائے ہیں راہ میں آنکھیں
کہ تُو ہے مہرِ درخشانِ صبحِ آزادی
تجھے خبر ہے یہ شاید، تلاش میں تیری
وطن کو چھوڑ کے کچھ سرفروش نکلے تھے
نہ دوستوں کی محبت نہ بھائی بندوں کی
نہ گھر کے چین اور آرام کا خیالِ حسیں
نہ مشکلاتِ سفر کا، نہ خوف خطروں کا
اُنہیں ارادوں سے اپنے ہلا سکا دم بھر
ہر اک قدم پہ اٹھا موت و زندگی کا سوال
نہ جانے کتنے بہادر گزر گئے جاں سے
مگر نہ چھوڑی انھوں نے تلاشِ آزادی
بالآخر آیا وہ دن جب یہ کوششِ پیہم
یہ صدقِ قوم پرستی، صفائے حُبِّ وطن
یہ حریت کی عبادت یہ فرض کی طاعت
تمام قوم کی جانبازی اور قربانی
ہوئی قبول، ثمر لائی، کامیاب ہوئی
وہ آئی صبح وہ خورشید پھر طلوع ہوا

جہاں میں عظمتِ جمہور کی سعادت کا

۳

خدائے نورِ مساوات، آفتابِ ازل
تو سر بلند ہو اپنے عروج پر آ جا

تری شعاعوں کی گرمی سے سب پگھل جائیں
جہاں میں بیڑیاں جتنی بھی ہیں غلامی کی
سنہری کرنوں سے دنیا میں روشنی پھیلے
ہر ایک خطۂ ارضی میں پہونچے آزادی
خوشی کے نعرے ہر اک سمت گونج گونج اٹھیں

جے رامکرشن جے اوم ہری

مجبور، غریب انسانوں کا ہے کون جہان میں تیرے سوا
میں تیری شرن میں آیا ہوں۔ تو مجھ کو سہارا دے اپنا
جے رامکرشن جے ادم ہری

تو ہی تو سکونِ کامل ہے۔ تو ہی تو قرارِ دائم ہے
تیری ہی حقیقت کے بَل پر سنسار یہ سارا قائم ہے
تو ستو رجس اور تامس کے تینوں ہی گنوں سے ہے بالا
لیلا سے مگر خود تیری ہی تجھ ہی میں ہوئے سب گن یکجا
کرتا ہے جہاں تیری پوجا سب شیش تیرا ہی گاتے ہیں
برکت سے تیرے ہی قدموں کی غفلت کے نشاں مٹ جاتے ہیں
مجھ میں تو نہیں پر اتنا بل، دن رات کروں تیری پوجا
ہر وقت ترا ہی دھیان رہے من میں کہاں اتنی شردھا
مجبور ہوں میں بے کس ہوں میں، ہے تو ہی مرا ملجا ماویٰ
میں تیری شرن میں آیا ہوں، تو مجھ کو سہارا دے اپنا
جے رامکرشن جے ادم ہری

یہ سچ ہے کہ زہد وطاعت سے، ملتی ہے حقیقت کی منزل
یہ سچ ہے کہ شردھا اور بھگتی، ہیں روح کی طاقت کا حاصل

یہ سچ ہے مٹے گا جنم مرن، اٹھیں گے جو آنکھوں سے پردے
کہنے سے مگر کرنا مشکل، ایماں ہے عمل کی برکت سے
مجبور ہوں میں، بے کس ہوں میں، ہے تو ہی مرا ملجا ماویٰ
میں تیری شرن میں آیا ہوں، تو مجھ کو سہارا دے اپنا
جے رامکرشن، جے اوم ہری

جو رامکرشن کے چرنوں پر کرتا ہے عقیدت سے سجدا
ملتی ہیں مرادیں سب اُس کو، ہوتا ہے سفینہ پار اُس کا
یہ پاک چرن ہیں وہ امرت، جو پائے انہیں ہوتا ہے امر
یاں موت کی سرکش لہریں بھی پاتی ہیں سکوں ان کو چھو کر
دُھل جاتے ہیں سب داغِ عصیاں، ہے نام میں تیرے وہ جادو
مٹ جاتا ہے اس کی طاقت سے یہ سارا فسونِ غیب و نمو
یہ نام نشاطِ کامل ہے، یہ نام سکوں کا حاصل ہے
یہ نام ہی دل کا ساحل ہے، یہ نام ہی دل کی منزل ہے
مجبور ہوں میں بے کس ہوں میں ہے تو ہی مرا ملجا ماویٰ
میں تیری شرن میں آیا ہوں، تو مجھ کو سہارا دے اپنا
جے رامکرشن جے اوم ہری

Squadron leader
SK Raina

Tel No. 32072 or 32073 } Extn 212 or 233